سورۃ آل عمران (آیت 152)

ڈاکٹر اسرار احمد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

﴿وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗٓ اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ ۚ حَتّٰٓى اِذَا فَشِلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ فِى الْاَمْرِ وَعَصَيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَآ اَرٰىكُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ ۭ مِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ۚ ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْهُمْ لِيَبْتَلِيَكُمْ ۚ وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ ۭ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَلَي الْمُؤْمِنِيْنَ ١٥٢﴾

''اور اللہ نے اپنا وعدہ سچا کر دیا (یعنی) اس وقت جبکہ تم کافروں کو اُس کے حکم سے قتل کر رہے تھے' یہاں تک کہ جو تم چاہتے تھے اللہ نے تم کو دکھا دیا اس کے بعد تم نے ہمت ہار دی اور حکم میں جھگڑا کرنے لگے اور نافرمانی کی۔ بعض تو تم میں سے دنیا کے خواستگار تھے اور بعض آخرت کے طالب۔ اس وقت اللہ نے تم کو اُن (کے مقابلے) سے پھیر (کر بھگا) دیا تا کہ تمہاری آزمائش کرے' اور اس نے تمہارا قصور معاف کر دیا' اور اللہ مومنوں پر بڑا فضل کرنے والا ہے۔''

جنگ اُحد میں اول مسلمان فتح یاب ہوئے پھر وقتی شکست کا سامنا کرنا پڑا جس کا ذکر پہلے گزر چکا۔ اس شکست سے مسلمانوں کو زک پہنچی اور اُن کے دل زخمی تھے۔ انہی حالات میں یہ آیت آئی ہے کہ دیکھو مسلمانو! تم ہم سے کوئی شکایت نہیں کر سکتے۔ اللہ نے تم سے اپنا وعدہ پورا کر دیا کہ تمہیں فتح یاب کیا۔ تم کفار کو اللہ کے حکم سے تہ تیغ کر رہے تھے اور نتیجتاً تم فتح سے ہم کنار ہوئے اور اللہ کا وعدہ پورا ہوا۔ پھر ایسا ہوا کہ تم ڈھیلے پڑ گئے یعنی تمہارے نظم میں نقص واقع ہوا' Discipline ڈھیلا ہوا' سمع وطاعت میں کوتاہی ہوئی۔ حضور ﷺ کی سمع و طاعت فرض تھی' پھر جس کو آپؐ امیر مقرر کریں' اس کی اطاعت بھی ضروری تھی۔ آپؐ نے فرمایا مَنْ اَطَاعَنِیْ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ وَمَنْ عَصَانِیْ فَقَدْ عَصَی اللّٰہَ ''جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی پس بے شک اس نے اللہ کی نافرمانی کی''۔ پھر آپؐ نے فرمایا: وَمَنْ اَطَاعَ اَمِیْرِیْ فَقَدْ اَطَاعَنِیْ وَمَنْ عَصٰی اَمِیْرِیْ فَقَدْ عَصَانِیْ ''اور جس نے میرے امیر کی اطاعت کی پس بے شک اُس نے میری اطاعت کی اور جس نے امیر کی نافرمانی کی اُس نے میری نافرمانی کی''۔ جنگ اُحد میں ابتدائی فتح کے بعد جب درّے والے اپنی پوسٹ سے ہٹے تو انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی نہیں کی تھی' ان کا کہنا تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے تو ہم سے کہا تھا شکست کی صورت میں اگر ہم سب بھی اللہ کی راہ میں قتل ہو جائیں اور تم دیکھو کہ چیلیں اور کوے ہمارا گوشت کھا رہے ہیں تب بھی تم یہاں سے نہ ہٹنا۔ جبکہ وہ تو فتح کے بعد وہاں سے ہٹے۔ یوں رسول اللہ ﷺ کے حکم کی تو تاویل ہو گئی۔ انہوں نے آپؐ کے حکم کی خلاف ورزی نہیں کی تھی البتہ مقامی کمانڈر کے حکم کی خلاف ورزی ہو گئی۔ اجتماعی زندگی میں discipline کا معاملہ انتہائی اہم ہے جو کسی طرح بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ فوج کا ایک سپہ سالار ہوتا ہے' مگر پوری فوج کے کئی حصے ہیں' ہر حصے کا بھی ایک کمانڈر ہے۔ ان کمانڈروں کے احکام سے سرتابی سنگین نتائج کی حامل ہو گی۔ تو جماعتی زندگی میں نظم کی پابندی انتہائی ضروری ہے۔ چنانچہ یہاں اس معاملے کو مناسب اہمیت نہیں دی گئی تو فتح شکست میں بدل گئی۔ ''جب تم ڈھیلے پڑ گئے اور معاملے میں جھگڑا کرنے لگے'' یہ اُس وقت ہوا جب درے والوں نے ہٹنا چاہا اور مقامی کمانڈر نے اُنہیں ایسا کرنے سے روکا۔ یہ نافرمانی اُس وقت ہوئی جب تم نے وہ چیز دیکھ لی جو تمہیں محبوب ہے۔ یہاں مراد عام طور پر مال غنیمت لیا جاتا ہے۔ مگر میں سمجھتا ہوں کہ اس سے مراد فتح ہے۔ اس لئے کہ مال غنیمت کی تقسیم کا قاعدہ تو غزوہ بدر کے بعد طے ہو چکا تھا کہ چاہے کوئی شخص کچھ جمع کرے یا نہ کرے' مال غنیمت میں سب کا حصہ برابر ہو گا۔ تو مَا تُحِبُّوْنَ سے مال غنیمت نہیں بلکہ فتح مراد ہے' کیونکہ فتح بھی پسندیدہ شے ہے۔ اور دیکھئے قرآن کریم کی سورۃ الصف میں ہے وَاُخْرٰی تُحِبُّوْنَهَا ۭ نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَفَتْحٌ قَرِيْبٌ ۭ ''اور ایک دوسری چیز جس کو تم سب پسند کرتے ہو وہ اللہ کی طرف سے مدد اور قریبی کامیابی ہے''۔ اپنا تو کام ہے کہ فرض کو انجام دیا جائے پورے خلوص کے ساتھ۔ کامیابی یا ناکامی تو اللہ کی مرضی ہے۔ اُس کا حکیمانہ فیصلہ ہے' وہ خوب جانتا ہے کہ کب فتح لانا ہے اور کب شکست۔

تم میں وہ بھی ہیں جو دنیا چاہتے ہیں' یعنی کامیاب ہوں' بول بالا ہو' ہماری حکومت قائم ہو جائے۔ اور تم میں وہ بھی ہیں جو صرف آخرت کے طالب ہیں۔ فتح کا وعدہ پورا ہو جانے کے بعد جب تم سے غلطی ہوئی تو اللہ نے تمہارا رخ اُن سے پھیر دیا۔ پہلے تو تم ان کا تعاقب کر رہے تھے مگر اب معاملہ الٹا ہو گیا کہ تم اپنی جان بچانے کے لئے ادھر اُدھر جا رہے ہو۔ یہ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں ابتلاء میں ڈالا ہے۔ لیکن ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے معافی نامہ بھی جاری کر دیا کہ اس نے تمہیں معاف کر دیا اور اللہ تعالیٰ اہل ایمان کے حق میں بہت فضل والا ہے۔

فرمانِ نبوی

مرنے کے بعد صرف عمل ساتھ رہتا ہے

چودھری رحمت اللہ بٹر

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((يَتْبَعُ الْمَيِّتَ ثَلَاثَةٌ فَيَرْجِعُ اثْنَانِ وَيَبْقٰى وَاحِدٌ' يَتْبَعُهٗ اَهْلُهٗ وَمَالُهٗ وَعَمَلُهٗ' فَيَرْجِعُ اَهْلُهٗ وَمَالُهٗ وَيَبْقٰى عَمَلُهٗ)) (مسلم)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''(مرنے کے بعد قبر تک) میت کے ساتھ تین چیزیں جاتی ہیں۔ دو چیزیں لوٹ آتی ہیں اور ایک چیز اس کے ساتھ رہتی ہے۔ (۱) اس کا کنبہ اور رشتے دار۔ (۲) اس کا مال (۳) اس کا عمل۔ (دفن کے بعد) پہلی دو چیزیں پلٹ جاتی ہیں اور اس کا عمل اس کے ساتھ باقی رہتا ہے۔''

موت کے بعد تجہیز و تکفین ہوتی ہے۔ رشتہ دار اشکبار آنکھوں سے اسے سپرد خاک کرتے ہیں۔ وارث ان کی جائیداد پر قبضہ کر لیتے ہیں۔ پھر خون کے رشتہ داروں میں ماں باپ' بیوی' بچوں وغیرہ میں سے کوئی مردہ کے قریب نہیں جاتا۔ اے ادھر جانے والے! سوائے تیرے عمل کے (وہ برا ہے یا بھلا) اور کوئی چیز تیرے ساتھ نہیں جائے گی۔ بس تیرا عمل ہی تیرا رفیق اور وفاشعار دوست ہو گا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تا خلافت کی بنا' دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب وجگر

قیامِ خلافت کا نقیب

ندائے خلافت

جلد		شمارہ
14	6 تا 12 جنوری 2005ء 24 تا 30 ذی قعدہ 1425ھ	1

بانی: اقتدار احمد مرحوم
مدیرِ مسئول: حافظ عاکف سعید

مجلس ادارت
سید قاسم محمود۔ ڈاکٹر عبدالخالق
مرزا ایوب بیگ۔ سردار اعوان۔ محمد یونس جنجوعہ
نگران طباعت: شیخ رحیم الدین

پبلشر: محمد سعید اسعد' طابع: رشید احمد چوہدری
مطبع: مکتبہ جدید پریس' ریلوے روڈ' لاہور

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی:
67۔ گڑھی شاہو' علامہ اقبال روڈ لاہور
فون: 6316638-6366638 فیکس: 6271241
E-Mail:markaz@tanzeem.org
مقام اشاعت: 36-کے' ماڈل ٹاؤن' لاہور
فون: 5869501-03

قیمت فی شمارہ: 5 روپے
سالانہ زرِ تعاون
اندرونِ ملک......250 روپے
بیرون پاکستان
یورپ' ایشیا' افریقہ وغیرہ (1500 روپے)
امریکہ' کینیڈا' آسٹریلیا وغیرہ (2200 روپے)
چیک' منی آرڈر یا پے آرڈر
''مکتبہ خدام القرآن'' کے عنوان سے ارسال کریں
☆.☆.☆
''ادارہ'' کا مضمون نگار کی رائے سے
متفق ہونا ضروری نہیں

اداریہ

قیامت خیز زلزلہ اور اقوامِ عالم کا طرزِ عمل

گزشتہ سال کے آخری اتوار کو بحر ہند میں قیامت خیز زلزلے اور اُس کے نتیجے میں ہولناک طوفان اور اب تک جاری موسلادھار بارشوں کی وجہ سے دس ملکوں میں ڈیڑھ لاکھ سے زیادہ انسان لقمۂ اجل بن گئے۔ کوٹھیاں' مکان' دفتر' کشتیاں' ٹیلی فون اور بجلی کے تار تہ وبار ہو کر رہ گئے۔ پانی کے اندر کی زمین نیچے سے اوپر آ گئی اور اُوپر کا طبقہ پانی کی گہرائیوں میں غرق ہو گیا۔ جنوبی ایشیا میں مشرقِ بعید کے ممالک انڈونیشیا' تھائی لینڈ' سری لنکا' بنگلہ دیش' بھارت اور اُس کے جزائر انڈیمان اور نکوبار' اور میانمار کے علاوہ جنوبی افریقہ میں صومالیہ تک کے ساحلی علاقے تباہی سے دوچار ہوئے۔ زلزلے کی شدت ریکٹر اسکیل پر 8.9 ریکارڈ کی گئی ہے۔ ابھی تک مرنے والوں کے علاوہ لاپتہ' بے گھر افراد اور املاک کی تباہی کے بارے میں کوئی حتمی بات نہیں کی جا سکتی' کیونکہ اکثر علاقوں میں اب تک زلزلے کے جھٹکے بار بار محسوس ہو رہے ہیں' اور بعض علاقوں میں بارشوں کا سلسلہ ہنوز جاری ہے۔

اقوام متحدہ کے سیکرٹری جنرل کوفی عنان کے محتاط اندازے کے مطابق اب تک ڈیڑھ لاکھ سے زیادہ افراد ہلاک ہو چکے ہیں۔ انڈونیشیا میں 95 ہزار' سری لنکا میں 30 ہزار' جزائر انڈیمان اور نکوبار میں دس ہزار اور تھائی لینڈ میں تین ہزار اموات کی سرکاری تصدیق ہو چکی ہے۔ مرنے والوں میں بچوں کی تعداد ایک تہائی سے زیادہ ہے۔ پوری دنیا کے ملکوں کی طرف سے متاثرہ علاقوں کی ہنگامی امداد کا سلسلہ فوری طور پر شروع ہو گیا ہے' لیکن لوگوں تک امدادی ضروریات کی تقسیم کا مسئلہ خاصا سنگین بنا ہوا ہے۔ کہیں اب تک بارشیں ہو رہی ہیں۔ کہیں سڑکیں تباہ ہو کر نقل وحمل کے لائق نہیں رہیں۔ کہیں خود دفتری اور انتظامی اُمور رکاوٹ بنے ہوئے ہیں۔ انڈونیشیا اور سری لنکا میں تو سیاسی مسئلہ بھی ایک رکاوٹ بن گیا ہے۔ ان دونوں ملکوں میں تباہی ان علاقوں میں آئی ہے جو باغیوں کے کنٹرول میں ہیں۔ سری لنکا کے جزیرہ نمائے جفنہ تامل ٹائیگر اور انڈونیشیا کے صوبہ آچے میں باغی عناصر حکومت کی طرف سے آنے والی امداد کی تقسیم میں مزاحمت کر رہے ہیں۔

حکومت پاکستان نے اچھا کیا کہ فوری طور پر دس کروڑ ڈالر کی اقتصادی امداد کے علاوہ امدادی سامان بحری اور ہوائی جہازوں کے ذریعے متاثرہ علاقوں میں بھیجا ہے۔ ملک میں امدادی فنڈ قائم کر دیا ہے جس میں مخیر حضرات انسانی ہمدردی سے عطیات دے رہے ہیں۔ اقوام متحدہ نے اعلان کیا ہے کہ متاثرین کو امدادی سامان سے زیادہ نقدی کی ضرورت ہے' کیونکہ ہر متاثرہ ملک کی ترجیحات مختلف ہیں۔ انڈونیشیا اور سری لنکا میں خوراک اور پینے کا پانی پہلی ترجیح ہے۔ بعض دوسرے علاقوں میں تعمیر مکانات پہلی ترجیح ہے۔ بین الاقوامی برادری نے فیاضی' ہمدردی اور خیر سگالی کا بے مثال مظاہرہ کیا ہے۔ اب تک چالیس سے زیادہ ملکوں نے دو ارب ڈالر دینے کا اعلان کیا ہے۔ ان میں سب سے زیادہ رقم جاپان نے (500 ملین ڈالر) دینے کا اعلان کیا ہے۔ اقوام متحدہ کے سیکرٹری جنرل نے کہا ہے کہ امداد دینے کا یہی جذبہ آئندہ دس سال تک جاری رہے گا تو سمندری زلزلے سے جو نقصان ہوا ہے' اس کی مادی تلافی ہو سکے گی۔ اب تک نقصان کا اندازہ پانچ ارب ڈالر ہے۔

قدرتی وسماوی آفات پر تو صبر آ سکتا ہے' اور ایسے نقصان کی تلافی بھی ہو سکتی ہے' لیکن انسان کی لائی ہوئی قیامتوں کا کوئی مداوا نہیں۔ امریکا نے ہیروشیما اور ناگاساکی میں ایٹمی بمباری سے جو انسان آناً فاناً ہلاک کئے' ان کی تعداد موجودہ سمندری زلزلے کی ہلاکتوں سے زیادہ ہے۔ پہلی اور دوسری عظیم جنگوں میں مغربی طاقتوں نے کتنے لاکھ انسانوں کو لقمۂ اجل بنایا اور کیسی تباہی مچائی؟ امریکا نے ویت نام کی جنگ میں تیس لاکھ سے زیادہ بے گناہ ویت نامیوں کو موت کے سمندر میں غرق کیا۔ امریکا نے عراق اور افغانستان میں لاکھوں انسانوں کو اپنی وحشیانہ عسکری طاقت سے موت کی نیند سلا دیا۔

ہم انسانی تاریخ کے اس عظیم المیے پر امریکا کے بے حس اور بے ضمیر رویے کی سخت مذمت کرتے ہوئے ایک جانب اس قیامت خیز تباہی سے دوچار ہونے والے افراد خواہ وہ کسی بھی مذہب سے تعلق رکھتے ہوں' سے اظہار ہمدردی کرتے ہیں جبکہ دوسری طرف نوع انسانی کو اس طوفانِ نوح کی یاد دلانے والے واقعہ سے عبرت حاصل کرنے کی جانب توجہ دلانا اپنا فرض سمجھتے ہیں کہ وہ غور کرے کہ کیا طوفانِ نوح آنے کی وجہ یہی نہیں تھی کہ قوم نوح نے اللہ کے جلیل القدر پیغمبر کے پیغام کو' کہ وہ اللہ کی جانب رجوع کریں اور اُسی کا تقویٰ اختیار کریں' بحیثیت مجموعی ٹھکرا دیا تھا۔ آج پوری نوع انسانی کا طرزِ عمل اپنے آقا اور مالک کے ساتھ کیا ہے؟ کہ بحیثیت مجموعی اقوام عالم اپنے آقا اور مالک کی باغی ہیں اور کوئی بڑے سے بڑا سانحہ بھی انسانوں کو اس بات پر آمادہ نہیں کرتا کہ وہ اپنے آقا و تمام جہانوں کے مالک کو پہچانیں اور اس کی بندگی اختیار کریں۔ فاعتبروا یا اولی الابصار

(ادارہ)

منبر و محراب

عربی خطبہ جمعہ ——— انفرادی اور اجتماعی سطح پر بندگی کے تقاضے

[illegible] امیر تنظیم اسلامی حافظ عاکف سعید صاحب کے 24 دسمبر 2004 [illegible]

پچھلے تین خطابات جمعہ سے یہاں عربی خطبہ جمعہ کا مضمون زیر گفتگو ہے۔ ہم پہلے خطبے کے آخری حصے تک پہنچ گئے تھے۔ اس حصہ میں آیات قرآنی پڑھی جاتی ہیں۔ یہاں کوئی ایک سورت یا رکوع بھی تلاوت کیا جا سکتا ہے یا کوئی جامع آیت ہونی چاہئے جس میں پورا ایک پیغام موجود ہو۔ یہ خطبہ کا لازمی جزو ہے' اس لئے کہ آنحضورﷺ کا خطبہ تو گھومتا ہی آیات قرآنی کے گرد تھا۔ مولانا اشرف علی تھانویؒ نے جو خطبات جمعہ مرتب کئے اور جو بہت مقبول بھی ہوئے' ان میں انہوں نے سورۃ المومن کی 60 ویں آیت خصوصیت کے ساتھ شامل کی ہے اور خطباء حضرات عام طور پر اسی کی تلاوت کرتے ہیں۔ یہ بڑی گمبھیر' جامع اور اہم آیت ہے جو ایک اعتبار سے دین کا خلاصہ ہے۔ انفرادی سطح پر ایک شخص کے لئے دین کی راہنمائی کا لب لباب بہت جامعیت کے ساتھ اس میں آ گیا ہے۔

☆ وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ: ''اور کہا تمہارے رب نے مجھ کو پکارو' میں تمہاری پکار کو پہنچوں گا۔'' یہ اصل میں بندگی کی بنیاد ہے کہ دعا کی جائے اور صرف اللہ ہی کو پکارا جائے۔ اسی لئے نماز کی ہر رکعت میں ہم اللہ سے یہ قول و قرار اور عہد کرتے ہیں کہ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ یعنی پروردگار' ہم صرف تیری ہی بندگی کرتے ہیں اور صرف تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں۔ جس معاملے میں بھی مدد و اعانت کی ضرورت ہو' ہم تیری ہی طرف رجوع کرتے ہیں۔ یہ مفہوم عبادت کا لازمی حصہ ہے۔ آنحضورﷺ نے فرمایا کہ دعا عبادت کا جوہر ہے۔ عبادت کا ایک ظاہر ہوتا ہے جیسے نماز کی ہیئت میں ایک خاص انداز سے کھڑے ہونا' رکوع و سجود' قعدہ اور جلسہ شامل ہیں لیکن اس کا مغز اور جوہر اللہ سے التجا کرنا' اس سے مناجات اور اسے پکارنا ہے۔ ایک دوسری حدیث کے مطابق نبی اکرمﷺ نے فرمایا کہ دعا ہی عبادت ہے۔ چنانچہ یہ دیکھنا چاہئے کہ کوئی شخص جب مشکل وقت آئے تو رجوع کس کی طرف کرتا ہے!

ظاہری اسباب و وسائل کے حوالے سے بعض اوقات ہمیں یہ محسوس ہوتا ہے کہ ہمارا کام فلاں شخص کے ہاتھ میں پھنسا ہوا ہے' چنانچہ اس تک رسائی کے لئے ہم تگ و دو کرتے ہیں ——— جبکہ بندگی کا حاصل یہ ہے کہ سب کچھ پروردگار کے ہاتھ میں ہے۔ ہمیں ہر حال میں اللہ ہی سے رجوع کرنا چاہئے۔ وہی راستہ کھول سکتا ہے۔ آنحضورﷺ کا فرمان ہے کہ لوگوں کے دل اللہ تعالیٰ کی انگلیوں کے درمیان ہیں' وہ جس طرف چاہتا ہے موڑ دیتا ہے۔ اسی کی ذات مسبب الاسباب اور مشکل کشا ہے۔ اس آیت میں اللہ نے یہ اعلان کر دیا کہ مجھ ہی سے فریاد کرو' میں تمہاری دعا کو سنوں گا۔ دعا کی قبولیت کے بارے میں وضاحت حدیث میں کی گئی ہے کہ قبولیت کی مختلف شکلیں ہوتی ہیں۔ اگر دنیا میں دعا کی قبولیت کا خود اللہ تعالیٰ کے ہاں فیصلہ نہ ہو تو وہ آخرت میں ایک انسان کے لئے توشہ بن جاتی ہے۔ لیکن بندگی کا حاصل یہی ہے کہ دعا اللہ ہی سے کی جائے' کسی اور کے سامنے ہاتھ نہ پھیلایا جائے۔

☆ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دَاخِرِيْنَ: ''بے شک جو لوگ میری بندگی سے تکبر کرتے ہیں (اور تکبر کی بنیاد پر مجھ سے دعا نہیں کرتے) تو عنقریب وہ جہنم میں ذلیل و رسوا ہو کر داخل ہوں گے''۔ ان الفاظ میں بڑا جلال ہے۔ یہ بھی انسان کی حد سے بڑھی ہوئی خود اعتمادی کی ایک کیفیت ہوتی ہے کہ میں اپنے مسائل خود حل کر سکتا ہوں۔ میرے پاس دولت ہے اور میری ایک حیثیت ہے۔ چنانچہ اللہ سے دعا کرنے میں بھی اسے حجاب محسوس ہوتا ہے۔ یہ بے توفیق لوگ ہوتے ہیں۔ خود اعتمادی کا یہ درجہ فرعونیت کا مظہر ہے۔ اللہ تعالیٰ ایسے فرعونوں کو ڈھیل تو دیتا ہے لیکن پھر جب انہیں اچانک ہی کوئی ایسی بیماری آ پکڑتی ہے کہ جس کا کوئی علاج نہیں ہوتا تو پھر ان کی حالت دیدنی ہوتی ہے۔ اللہ نے جب وقتی طور پر انہیں کچھ حیثیت دے دی تو ان کا دماغ خراب ہو جاتا ہے۔ بندگی کی حقیقت یہی ہے کہ انسان کسی بھی مقام پر پہنچ جائے' اس کا ظاہر اور باطن اللہ کے سامنے سربسجود رہے۔ یہی شان سورۃ الکہف میں ذوالقرنین کے قصے میں بیان ہوئی ہے کہ اسے اللہ تعالیٰ نے ہر طرح کے وسائل فراہم کئے تھے لیکن وہ اس مقام پر پہنچ کر بھی رب کے آگے جھکنے والا تھا۔ اس میں تواضع تھی کہ میں اپنی سی کوشش تو کر رہا ہوں لیکن ہوگا وہی جو میرا رب چاہے گا۔ یہ ہے بندگی کا انداز! دوسری انتہا یہ ہے کہ انسان کو کچھ مل جائے تو پھر وہ خدائی کا دعویٰ کرنے لگے۔

اس مسجد میں خطبہ جمعہ کے پہلے حصے کے آخر میں جو آیات پڑھی جاتی ہیں' کبھی ان کی مناسبت اس موضوع سے ہوتی ہے جس پر اردو میں خطاب کیا گیا ہو' کبھی سورۃ الجمعہ کے آخری رکوع کی تلاوت ہوتی ہے جبکہ زیادہ تر سورۃ الحدید کی آیت 25 کی تلاوت کی جاتی ہے۔ یہ اس اعتبار سے قرآن مجید کی جامع ترین آیت ہے کہ پورے نظام کو اللہ کی بندگی کے تابع کیا جائے جبکہ سورۃ المومن کی 60 ویں آیت اس حوالے سے اہم ہے کہ ایک فرد کیسے پوری طرح اللہ کا بندہ بنے! پورا نظام توحید کے تابع ہو' اسلام کا نظام عدل وقسط قائم ہو' اللہ ہی کی الوہیت اور حکمرانی تسلیم کی جائے' آسمانی ہدایت کو اپنی عقل کے اوپر مقدم رکھا جائے' اللہ کے ماننے والے دینِ حق کو قائم کرنے کی ذمہ داری کی اہمیت کو سمجھیں اور اس کو قائم کرنے کی جدوجہد کریں' اس اعتبار سے قرآن مجید کی انقلابی آیات میں بلند ترین مقام سورۃ الحدید کی آیت 25 کو حاصل ہے۔ یہ ان آیات میں سے ہے جن سے آج یہود و نصاریٰ بہت زیادہ خائف ہیں۔ ان کا بس چلتا تو کبھی کے اس آیت کو قرآن مجید سے نکال چکے ہوتے۔ ہر اسلامی ملک کے اندر ان کے جو ایجنٹ بیٹھے ہوئے ہیں' ان کے ذریعے وہ یہ کوشش تو کر رہے ہیں کہ اسے نصابِ تعلیم سے نکالیں' قرآن سے نکالنے کا امکان تو ہے نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کی حفاظت کا ذمہ خود لے رکھا ہے۔ وہ آیت یہ ہے:

☆ لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ: ''ہم نے بھیجے ہیں اپنے رسول نشانیاں دے کر''۔ جیسے سورۃ المومن کی 60 ویں آیت کا آغاز ان الفاظ سے ہوا تھا کہ ''اور تمہارا رب کہتا ہے'' اسی طرح یہاں بھی اللہ تعالیٰ ہی انسانوں کے ساتھ اپنے ایک خاص معاملے کا ذکر فرما رہے ہیں کہ ہم ہی رسولوں کو بینات دے کر بھیجتے رہے ہیں۔ بینات سے مراد کھلی' واضح' روشن تعلیمات بھی ہیں اور اس کے مفہوم میں معجزات بھی شامل ہیں جن کو دیکھنے سے آنکھیں کھلتی ہیں۔

☆ وَاَنۡزَلۡنَا مَعَهُمُ الۡكِتٰبَ وَالۡمِيۡزَانَ : ''اور ہم (رسولوں کے ساتھ) نازل کرتے رہے ہیں کتاب بھی اور میزان بھی۔'' یہی دو الفاظ سورۃ الشوریٰ کی 17 ویں آیت میں بھی آئے ہیں کہ: ''اللہ وہ ہے جس نے نازل فرمائی کتاب' حق کے ساتھ' اور میزان بھی''۔ میزان کے لئے قرآن مجید میں دوسرا لفظ دین حق آیا ہے۔ چنانچہ سورۃ الفتح کی 28 ویں آیت میں آنحضور ﷺ کے لئے یہ فرمایا گیا کہ: ''وہی (اللہ) ہے جس نے اپنے رسول کو الھدیٰ اور دین حق دے کر بھیجا''۔ یہاں لفظ الکتاب کی جگہ الھدیٰ آیا' یعنی ہدایت کاملہ اور مکمل ہدایت' جس سے مراد قرآن مجید ہی ہے۔ میزان کی جگہ لفظ دینِ حق ہے۔ دین کو ہم نظام عدل و قسط کہیں گے' یعنی وہ قوانین جو انسان کی ذات سے متعلق ہیں' اُن کے درمیان باہم حقوق و فرائض کی تقسیم بالکل درست اور منصفانہ ہے۔ دین کے تحت انسانی زندگی کے انفرادی اور اجتماعی دونوں گوشے آ جاتے ہیں۔ سچا دین دنیا میں زندگی گزارنے سے متعلق ہے۔ عدل و انصاف کے اصول اور معاشرے کے لئے درست اقتدار کا تعین' جائز ناجائز اور حرام حلال میں واضح امتیاز قائم کرنا' اسی طرح ظلم و استحصال کرنے والے طبقات کو قرار واقعی سزا دینے کا نظام قائم کرنا دراصل دین حق کا اصل موضوع ہے۔ اسی کے لئے لفظ میزان آیا' یعنی نظام درحقیقت حقوق و فرائض کے ایک توازن کا نام ہے۔ افراد جب مل کر رہیں گے تو ایک طرف فرد کی آزادی ہے جبکہ دوسری طرف فرد کے حقوق اور اس کی ذمہ داریاں بھی ہیں۔ کسی نظام میں میری آزادی اتنی نہ بڑھ جائے کہ دوسرے لوگوں کی آزادی متاثر ہونے لگے۔ ایک خاص طبقے کو حق اتنا زیادہ نہ دیا جائے کہ دوسرے طبقات کا حق غصب ہونے لگے۔ مرد کو وہ حقوق نہ دے دیئے جائیں کہ پھر خواتین کے حقوق متاثر ہوں یا خواتین کو وہ حقوق نہ دے دیئے جائیں کہ مرد کے حقوق تلف ہوتے ہوں۔ مرد اور عورت اگرچہ ایک ہی جنس کی دو اصناف ہیں لیکن دونوں میں فرق ہے۔ دونوں کو بالکل برابر حقوق دے دینا بھی غیر فطری ہے۔ اس امر کا تعین کون کر سکتا ہے کہ کس کا کیا حق ہے اور کس کی کیا ذمہ داری ہے؟ اس سوال کے جواب کو منطقی طور پر سمجھنے کی ضرورت ہے۔ یہ کام اگر مرد کرے گا تو وہ عورت کے نفسیاتی تقاضوں' جذبات اور میلان طبع سے مکمل طور پر واقف نہ ہونے کی وجہ سے لازماً ایک ایسا نظام بنائے گا جس میں مرد کے حقوق زیادہ رکھے جائیں گے۔ اسی طرح عورت کو اگر نظام بنانے کا اختیار مل جائے تو وہ بھی عدل کے تقاضے پورے کرنے سے قاصر رہے گی۔ چنانچہ ایک ہی ذات ایسی ہے کہ جو عدل و انصاف کے ساتھ دونوں کے فرائض اور حقوق کا صحیح صحیح تعین کر سکتی ہے ——— اور وہ ہے جس نے ان دونوں کو پیدا کیا۔ سورۃ قٓ کی آیت 16 میں فرمایا گیا کہ: ''اور ہم نے انسان کو تخلیق کیا اور ہم جانتے ہیں اس کا نفس کیا وسوسہ اندازی کرتا ہے۔'' چاہے مرد ہو یا عورت' انسان کی نفسیات کو سب سے بہتر جاننے والی ذات اللہ تعالیٰ کی ہے جو العلیم اور خالق ہے۔ لہٰذا ایک ایسا میزان یا دین حق جس میں ہر ایک کو اس کا جائز حق ملے' صرف اللہ ہی عطا کر سکتا ہے۔ اسی طرح فرد اور اجتماعیت کے اندر توازن کا معاملہ بھی وہی خالق و مالک ہی طے کر سکتا ہے۔

انسانی معاشرے میں فرد کی آزادی اور جزا و سزا کے معاملے میں افراط و تفریط ہے۔ اس حوالے سے ایک تصور یہ ہے کہ جس شخص نے جرم کیا' وہ اصل میں ذہنی مریض ہے جسے توجہ کی ضرورت ہے۔ اسے ایک بہتر ماحول فراہم کیا جائے' جہاں اس کی ضروریات کا خیال رکھا جائے۔ چنانچہ جیل کو ایک آسائش گاہ بنا دیا گیا۔ لیکن یہ تجربہ کر کے بھی انسان نے دیکھ لیا کہ جرم پھر بھی کم نہیں ہوئے۔ لہٰذا انسان کا ذہن یا تو ایک انتہا پر جائے گا یا پھر دوسری انتہا پر۔ ان معاملات میں وہ توازن کے راستے تک نہیں پہنچ سکتا۔ اس ضمن میں اسلام ہمیں بتاتا ہے کہ ایک طرف تو مناسب تعلیم اور درست اقدار کو رائج کیا جانا چاہئے جو کہ اسلامی ریاست کی ذمہ داری اور علماء کا کام ہے' جبکہ دوسری طرف اگر جرم ثابت ہو جائے تو پھر عبرتناک سزا دی جائے۔ اس کے نتیجے میں معاشرہ بالکل درست ہو جائے گا! ایسا توازن صرف اللہ ہی عطا کر سکتا ہے۔ لہٰذا دین حق وہ ہے جس میں ہر ایک کو اس کا جائز حق ملے اور پھر وہ دوسرے کے حق پر ڈاکا نہ ڈال سکے۔ اگر وہ ایسا کرے تو قانون کی زد میں آئے اور اس کو قرار واقعی سزا دی جائے جبکہ جس کے ساتھ ظلم ہوا ہو' اسے انصاف مہیا کیا جائے۔ اسی کا نام میزان ہے۔

الکتاب یعنی آسمانی ہدایت کا اصل حاصل یہ ہے کہ واضح ہو جائے کہ تم کون ہو' تمہارا خالق کون ہے' اس کی صفات کیا ہیں' تمہاری منزل کیا ہے' خیر کیا ہے' شر کیا ہے' حقیقت کیا ہے' شیطنت کیا ہے' شرک کیا ہے' توحید کیا ہے! اس کے ساتھ ساتھ عملی ہدایت کا ایک گوشہ یعنی میزان الگ کر دیا گیا' جو کہ عدل و قسط کا اجتماعی نظام ہے۔ اس کی رُو سے معاشرتی سطح پر سب انسان برابر ہیں۔ بحیثیت انسان کوئی اونچا نیچا نہیں ہے بلکہ سب کا خالق ایک اللہ ہے۔ آدم اور حوا کی اولاد ہونے کے ناطے ان سب کے حقوق برابر ہیں۔ پیدائشی طور پر کوئی مراعات یافتہ طبقہ نہیں ہے۔ یہ نظام حضرت محمد ﷺ نے قائم کر کے دکھایا تھا اور دشمنوں نے بھی گواہی دی کہ واقعتاً جو بات آپؐ نے خطبہ حجۃ الوداع میں فرمائی تھی کہ کسی عربی کو عجمی پر اور کسی سرخ رو کو کالے پر فضیلت نہیں ہے' تو یہ صرف الفاظ نہیں تھے بلکہ اس بنیاد پر عملاً ایک معاشرہ قائم کر کے دکھایا گیا۔ یہ نظام سماجی اور معاشی ہر سطح پر کامل عدل کا ضامن ہے۔ ہر ایک کو یکساں مواقع فراہم ہونے چاہئیں۔ ملکی وسائل اور دولت کو تمام طبقات میں یکساں طور پر گردش کرنا چاہئے۔ یہ نہیں کہ دولت سرمایہ داروں کے طبقے ہی سے نکلے اور گھوم پھر کر وہیں لوٹ جائے جبکہ دوسرے تمام طبقات محروم رہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ ہر شخص کی صلاحیت ایک جیسی نہیں ہے۔ کوئی اس موقع پر فائدہ اٹھائے گا اور آگے نکل جائے گا جبکہ کوئی پیچھے رہے گا لیکن مواقع تو سب کو یکساں حاصل ہوں۔ یہ معاشی عدل کا تقاضا ہے۔ اسی طرح سیاسی عدل کے لئے ضروری ہے کہ سب کے یکساں حقوق ہوں۔ ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا ہم کفو ہے۔ اس معانی میں قانونی حق کے اعتبار سے سب یکساں ہیں۔ اس میں اگر فرق آئے گا تو ایک اسلامی ریاست میں بعض پہلوؤں سے مسلمان اور غیر مسلم کا ہو گا' لیکن مسلمان سب یکساں ہیں۔ اسی طریقے سے یہ بات کہ خلافت کسی کا پیدائشی حق نہیں بلکہ یہ امر المسلمین ہے' یعنی مسلمان مل کر اپنے میں سے ایک خلیفہ کا تعین کریں۔ تمام مسلمانوں کو اس پر یکساں حق حاصل ہے کہ وہ اپنی رائے سے کسی کو خلیفہ کے طور پر منتخب کریں۔ کسی ایک طبقے کو پیدائشی طور پر یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ اس کا مستحق ہو کر بیٹھ جائے۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ جس کے ساتھ ظلم اور ناانصافی ہوئی' اسے فوری اور سستا انصاف میسر ہو۔

آیت کا اگلا حصہ بہت اہم ہے۔

☆ لِيَقُوۡمَ النَّاسُ بِالۡقِسۡطِ : ''تاکہ لوگ عدل و قسط پر قائم ہو جائیں۔'' بین السطور میں یہ ہے کہ رسولوں کی بعثت اور آسمانی کتابوں کے نزول کا اصل مقصد یہ ہے کہ اس دین حق اور میزان کو نصب کیا جائے۔ دینِ حق قائم و غالب ہو۔ یہ سب کچھ اللہ نے اس لئے نہیں دیا کہ تم اس کو کبھی کبھی پڑھ لیا کرو۔ کسی عزیز' رشتہ دار' دوست کا انتقال ہو گیا تو ایک سپارہ پڑھ لیا اور ایصالِ ثواب کر کے آ گئے۔ یا یہ کہ خود عمل تو کرنا نہیں ہے لیکن پھر بھی کبھی کبھی ثواب کے لئے پڑھنے میں کیا حرج ہے' آخر ہر حرف کے پیچھے دس نیکیاں تو ملیں گی! الھدیٰ کا صرف یہ مصرف نہیں ہے۔ اللہ نے رسول بھی اس لئے بھیجے' کتاب بھی اس لئے نازل کی اور دین حق بھی اس لئے عطا کیا تاکہ لوگ عدل و انصاف پر قائم ہو جائیں۔ اس آیت میں ان سب کا جو حاصل بتایا گیا ہے وہ اس اعتبار سے بہت اہم ہے کہ اس نظام کے قائم ہونے کے نتیجے میں لوگوں کو ایسا ماحول میسر آئے گا جس میں ان کی روحانی ترقی کے امکانات ہوں گے۔ اگر یہ میزان نصب نہیں ہے تو وہ معاشرہ استحصالی معاشرہ ہے۔ اس کے اندر ظلم ہے' چاہے ظاہری طور پر وہ ایک نہایت خوش نما نظام ہو۔

مغرب سے درآمد شدہ جمہوری نظام کی اصلیت کو علامہ اقبال نے بڑی خوبصورتی سے پہچانا تھا کہ ؎ چہرہ روشن اندروں چنگیز سے تاریک تر۔ بظاہر تو یہ بڑا عمدہ نظام ہے' لیکن جن بنیادوں پر یہ اٹھایا گیا ہے وہ اصل میں چنگیزیت ہے۔ اس نظام میں وہی اوپر آ سکتا ہے جس کے پاس سرمایہ ہوگا۔ سرمائے کے ذریعے وہ میڈیا کو بھی خرید سکتا ہے۔ لہٰذا بظاہر یہی نظر آتا ہے کہ ہم نے اپنے ووٹ سے ایک شخص کو اوپر پہنچایا ہے لیکن درحقیقت ہمارے ذہن کو آزاد نہیں چھوڑا گیا بلکہ یہ ذرائع ابلاغ سے متاثر ہوتا ہے۔ چنانچہ جس کے پاس سرمایہ نہیں ہے' وہ یہ کام نہیں کر سکتا۔ اس کے مظاہر ہم آج پوری دنیا میں دیکھ رہے ہیں۔ اسی طریقے سے سودی بنیادوں پر قائم معاشی نظام کو سب سے بہتر سمجھا جاتا ہے اور ظاہراً یہ بڑا خوشنما نظر آتا ہے لیکن حقیقت کے اعتبار سے بقول اقبال ؎

از ربا جاں تیرہ دل چوں خشت و سنگ
آدمی درندہ بے دندان و چنگ

اس سودی نظام کے نتیجہ میں انسان حیوانیت سے اتر کر درندگی کی سطح پر آ جاتا ہے۔ سودخور اصل میں درندے ہیں' وہ انسان نہیں رہتے۔ وہ مروت' شرافت' رحمت' شفقت کے جذبات سے قطعاً عاری ہوتے ہیں۔ چاہے اپنے پاس اتنا جمع ہو چکا ہو کہ دس پشتیں کھا سکتی ہوں' لیکن اس سود کی بنیاد پر وہ غریبوں کے کپڑے تک بیچنے کے لئے تیار ہوتے ہیں۔ یہ قانون امریکہ میں سودی نظام کے علمبردار یہودیوں نے بنایا تھا کہ اگر ایک شخص دیوالیہ ہو جاتا ہے تو پھر حکومت اس امر کی پابند ہے کہ ان سودخوروں کو ان تمام واجبات کی ادائیگی کرے جو اس شخص کے ذمہ تھے' چاہے اس عمل میں اس کا گھر بھی نیلام ہو جائے۔ اسی طرح یہ جو قسطوں کے اوپر چیزیں دی جاتی ہیں' ان کی ادائیگی اگر وقت پر نہ ہو تو شرح سود میں اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے۔ اس جال میں پھنس کر ہر سال لاکھوں افراد دیوالیہ ہوتے ہیں۔ سودخور چاہتا ہے کہ ہر چیز مجھے مل جائے اور میں اپنا حق لوں' اور حکومت اسے یہ سب کچھ دلوانے کی پابند ہے۔ ہاں دیوالیہ شخص کو زندہ رہنے کے لئے حکومتی سطح پر کچھ بنیادی ضرورتیں فراہم کی جاتی ہیں۔ لیکن اس طرح حکومت کنگال ہو جاتی ہے جبکہ سودخوروں کے کھتے بھرتے جاتے ہیں۔ بہرکیف' یہ سودی نظام حقیقت کے اعتبار سے چنگیزیت اور ابلیسیت ہے۔ ایسے بدترین استحصالی نظام میں انسان کو اللہ' اس کے دین' روحانیت اور اعلیٰ اخلاقی اقدار کا خیال کہاں آئے گا! وہ تو اپنے آپ کو زندہ رکھنے کی تگ و دو میں لگا رہے گا جبکہ سودخور آگے سے آگے بڑھنے کی دوڑ میں رہیں گے۔ لہٰذا اگر یہ دین حق قائم ہو تو اس کے نتیجے میں انسان اپنے خالق کی طرف رجوع کرنے اور عبدیت کے تقاضے پورے کرنے کے قابل ہو سکیں گے۔ رسولوں کو اسی لئے بھیجا گیا۔

آیت کے اگلے الفاظ نہایت توجہ طلب ہیں:

☆وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ وَرُسُلَهٗ بِالْغَيْبِ: یہ وہ الفاظ ہیں جو یہود و نصاریٰ کو بہت چبھتے ہوں گے۔ ''اور ہم نے لوہا اتارا۔ اس میں بڑی قوت ہے اور لوگوں کے کام چلتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ ظاہر کرنا چاہتا ہے کہ کون ہیں جو اللہ کی اور اس کے رسولوں کی مدد کرتے ہیں' غیب میں رہتے ہوئے۔'' فولاد کے کچھ اور کام بھی ہیں اور استعمال کی بہت سی چیزیں اس سے بن سکتی ہیں لیکن اس کا اصل وصف جنگی صلاحیت ہے۔ لوہے کی قوت اس لئے ہے کہ جو طبقات بھی دین حق کے قیام اور اس میزان کو نصب کرنے کی راہ میں رکاوٹ بنیں' ان کی سرکوبی کے لئے اسے ہاتھ میں لو اور ان کے سر کچل دو۔ اس طرح یہ ثابت کرو کہ تم اللہ اور اس کے رسولؐ کے وفادار ہو۔ رب کی دھرتی پر رب کا نظام قائم کرنے کے لئے میدان میں نکل آؤ۔ یہ ہے اصل ہدف جو مسلمانوں کو دیا گیا! نیو ورلڈ آرڈر تاریخ انسانی کا سب سے بڑا شیطانی نظام ہے اور اس کے پیچھے ٹیکنالوجی کی پوری قوت ہے۔ یہی دجالیت کی انتہا ہے' جس سے ہر نبی اور رسول نے پناہ مانگی ہے۔ لیکن جو لوگ اللہ اور رسولؐ کے وفادار ہیں' ان کی وفاداری کا امتحان بھی ہے کہ وہ نکلیں اور ان طبقات سے نبرد آزما ہوں۔ لوہے کی قوت کو لے کر دین حق کے قیام کی ہر رکاوٹ کو دور کریں۔ یہ قرآن مجید کی سب سے بڑی انقلابی آیت ہے۔

☆اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ: اور ساتھ ہی فرما دیا کہ یہ واضح رہے کہ ''بے شک اللہ تعالیٰ زبردست زور آور ہے۔'' اس کا اقتدار پوری کائنات اور کون و مکاں کو محیط ہے۔ یہ نہ سمجھو کہ اللہ تعالیٰ کو تمہاری مدد کی ضرورت ہے۔ کہیں اس غلط فہمی میں مبتلا نہ ہو جانا کہ وہ بے بس ہو گیا ہے اور تم سے مدد کے لئے کہہ رہا ہے بلکہ یہ دراصل تمہاری وفاداری کا امتحان ہے۔ اس میں کامیابی کی صورت میں وہ نعمتیں اور آسائشیں ملیں گی جن تک کبھی کسی کے تخیل کی رسائی نہ ہو سکی۔ اس امتحان کے ذریعے اگر دین قائم ہوگا تو نوع انسانی کا بھلا ہوگا' انہیں عدل و انصاف ملے گا' انہیں وہ ماحول میسر آئے گا جس میں وہ انسانیت اور اعلیٰ اخلاقی اقدار کو ترقی دے کر حیوان کی سطح سے بلند ہو سکیں گے۔

سورۃ الحدید کی 25ویں آیت کی وضاحت اس لئے کی گئی ہے تاکہ خطبہ اول کے آخر میں جب آپ اس آیت کو سنیں تو اس کا مفہوم بھی آپ کے ذہن میں اجاگر ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں دین اسلام کی صحیح روح کو سمجھنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین!

(ملخص: محمد خلیق)

النصر لیب
مستند اور تجربہ کار ڈاکٹروں کی زیر نگرانی ادارہ
ایک ہی چھت کے نیچے تمام اقسام کے معیاری لیبارٹری ٹیسٹ
ایکسرے' ای سی جی اور الٹرا ساؤنڈ کی سہولیات
[illegible]
خصوصی پیکج خصوصی میڈیکل چیک اپ ☆ الٹرا ساؤنڈ ☆ ای سی جی ☆ ہارٹ ☆ ایکسرے چیسٹ ☆ لیور ☆ کڈنی ☆ جوڑوں سے متعلقہ متعدد ٹیسٹ/ ہیپاٹائٹس بی اور سی ☆ بلڈ گروپ ☆ بلڈ شوگر ☆ مکمل بلڈ اور مکمل پیشاب ٹیسٹ صرف 1500 روپے میں کروائیں۔
تنظیم اسلامی کے رفقاء اور ندائے خلافت کے قارئین اپنا ڈسکاؤنٹ کارڈ لیبارٹری سے حاصل کریں۔
ISO 9001:2000
QMS CERTIFIED CLINICAL LAB
BY MOODY INTERNATIONAL
النصر لیب: 950۔بی' مولانا شوکت علی روڈ' فیصل ٹاؤن (نزد راوی ریسٹورنٹ) لاہور
فون: 5162185-5163924 موبائل: 0300-8400944
E-mail: alnasar@brain.net.pk Website: www.alnasar.com.pk

وردی اور اسلامی جمہوریہ پاکستان

ایوب بیگ مرزا

جنرل پرویز مشرف سے کسی کو لاکھ اختلاف ہو سکتا ہے لیکن اس حقیقت کو تسلیم نہ کرنا محض ہٹ دھرمی ہوگی کہ وہ وکیلانہ انداز میں مدلل گفتگو کرنے میں بڑی مہارت رکھتے ہیں۔ وہ اپنے موقف کی وضاحت بلا جھجک اور موثر انداز میں کرنا جانتے ہیں خصوصاً اگر انگریزی میں گفتگو کر رہے ہوں تو الفاظ کا استعمال بڑا درست اور برموقع ہوتا ہے۔ ان کی اردو اتنی اچھی نہیں پھر بھی ہر جملے میں اعتماد اور یقین جھلک رہا ہوتا ہے۔ لیکن اُن کا 30 دسمبر کو قوم سے خطاب ان تمام اوصاف سے عاری تھا وہ خود اعتمادی سے محروم تھے جو کہہ رہے تھے صاف محسوس ہو رہا تھا کہ اُس پر خود اُنہیں یقین نہیں۔ ان کا چہرہ ان کی زبان کا ساتھ نہیں دے رہا تھا وہ خود قائل نہیں کر پا رہے تھے۔ انہوں نے گفتگو کا آغاز نواز شریف کی حکومت پر زبردست تنقید سے کیا انہوں نے 12 اکتوبر سے پہلے کا نقشہ کھینچتے ہوئے کہا کہ ملک معاشی طور پر تباہ ہو چکا تھا اور تکنیکی لحاظ سے دیوالیہ ہو چکا تھا۔ اس بات کا شدید خطرہ تھا کہ عالمی سطح پر پاکستان کو دہشت گرد ریاست قرار دے دیا جائے گا۔ اگر چہ اس چارج شیٹ میں کسی حد تک صداقت نظر آتی ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ جنرل پرویز مشرف کو یہ الزامات پانچ سال بعد کیوں یاد آئے ہیں اور ان کا یہ بیان ریکارڈ پر ہے کہ اگر نواز شریف مجھے آرمی چیف کے عہدے سے برطرف نہ کرتے تو آج بھی پاکستان کے وزیر اعظم ہوتے۔ اُن کے اس بیان سے یہ واضح ہے کہ معاملہ ملکی حالات کا نہیں بلکہ ذاتی تھا اور ذاتیات کی اس جنگ میں طاقتور نے کمزور کو پچھاڑ دیا اور آج جو تباہ کن حالات کا ذکر کیا گیا ہے اِس کا اصل مقصد یہ تھا کہ لوگوں کو بتایا جائے کہ ملکی سلامتی کے لئے اور معیشت کو تباہی سے بچانے کے لئے وردی ضروری ہے پہلے بھی اس وردی نے ملک کو دیوالیہ ہونے سے اور دہشت گرد ریاست قرار دیئے جانے سے بچایا آج بھی اگر ہم خوشحالی چاہتے ہیں اور پاکستان کو اعتدال پسند اور روشن خیال لوگوں کا ملک بنانا چاہتے ہیں تو اس کے لئے وردی ناگزیر ہے۔

اگر پاکستان کی ستاون سالہ تاریخ پر نگاہ ڈالی جائے تو فوجی حکمرانوں کی حکومت کا دورانیہ سول اور سیاسی حکمرانوں سے زیادہ طویل ہوگا۔ اور یہ بھی حقیقت ہے کہ معاشی سطح پر اگر کچھ ترقی اور بہتری ہوئی ہے تو وہ بھی فوجی حکمرانوں ہی کے دور میں ہوئی ہے۔ ایوب خان کا دور حکومت صنعتی لحاظ سے پاکستان کا سنہری دور تھا۔ پھر یہ کہ سیاسی سطح پر اس دور میں پاکستان کو ذوالفقار علی بھٹو کے نام سے ایک عوامی لیڈر ملا۔ ضیاء الحق کا دور بھی ہر لحاظ سے ایک اچھا دورِ حکومت تھا۔ اس دور میں پاکستان کا اسلامی تصور کسی قدر اجاگر ہوا۔ ایک عوامی لیڈر یعنی نواز شریف نے اس دور میں سیاسی جنم لیا اور عوام کے دلوں میں اپنے لئے جگہ پیدا کرنے میں کامیاب رہا۔ مشرف کا دور بھی معاشی لحاظ سے بہتری کا دور ہے۔ کچھ نائن الیون نے کبڑے کو لات ماری ہے لیکن سیاسی لحاظ سے یہ دور بڑا بانجھ ثابت ہوا ہے اور کوئی نیا لیڈر عوام کی حمایت حاصل نہیں کر سکا۔ لہٰذا عوام موجودہ فوجی حکمرانوں سے بیزار ہو کر اپنا رخ ایک بار پھر نواز شریف اور بے نظیر کی طرف کر چکے ہیں۔ جہاں تک سیاست دانوں کی حکومت کا تعلق ہے جو 1947ء سے 1958ء تک پھر 1972ء سے 1977ء تک اور پھر 1988ء سے 1999ء تک رہی۔ زیادہ وقت آپس میں مار کٹائی' ہنگاموں' مظاہروں اور ہڑتالوں میں گزرا۔ اس کے باوجود حیران کن بات یہ ہے کہ اگر فوجی ادوار اور سیاسی حکمرانوں کے دور کا تقابل کیا جائے تو نتیجہ یہ سامنے آتا ہے کہ سیاست دانوں نے ملکی اور قومی سطح پر اگر کوئی خاص کارنامہ نہیں دکھایا تو گنوایا بھی کچھ نہیں کسی سیاسی دور میں پاکستان کی سرزمین کا ایک انچ بھی دشمن ہتھیا نہ سکا۔ ایٹمی صلاحیت حاصل کرنے کی بنیاد بھی سیاسی دور میں رکھی گئی اور ایٹمی تجربہ بھی ایک سیاست دان کی حکومت میں ہوا جبکہ فوجی دور میں پاکستان دولخت ہوا اور بھارت نے سیاچین کا علاقہ بھی ہم سے ایک فوجی حکومت کے دوران چھینا اور ایک فوجی دور میں ہی ہم نے ثابت کیا کہ ایک فون کال پر ہم بہترین دوست کو بدترین دشمن مان لیتے ہیں اور اُس کے خلاف کارروائیوں میں عملاً شریک ہو جاتے ہیں۔

سوال یہ ہے کہ اگر فوجی حکمرانوں کی کارگزاری بہتر تھی اور سیاست دانوں کی کمتر تھی تو نتائج کے اعتبار سے معاملہ برعکس کیوں رہا۔ فوجی حکمران وردی پہن کر اور چھڑی ہاتھ میں پکڑ کر بھی ملک کی سلامتی کو قائم نہ رکھ سکے اور بیرونی دباؤ کا ڈٹ کر مقابلہ کرنے میں ناکام رہے اور سیاسی حکمران اپنی تمام تر کمی اور کوتاہیوں کے باوجود پاکستان کو ایٹمی پاکستان بنانے میں کامیاب رہے۔ اس کی وجہ صرف اور صرف یہ ہے کہ سیاست دانوں کی پشت پر کروڑوں عوام ہوتے ہیں جبکہ فوجی حکمران کی پشت پر صرف چند کور کمانڈر ہوتے ہیں اور وہ اپنی حکومت کے استحکام کے لئے اپنوں کی بجائے بیگانوں کے محتاج ہوتے ہیں۔ اگر چہ بیرونی دباؤ سیاست دان بھی قبول کرتے ہیں لیکن انہیں پھر بھی یہ فکر لاحق رہتی ہے کہ انہیں ووٹ حاصل کرنے کے لئے کچھ عرصہ بعد دوبارہ عوام کی طرف لوٹنا ہوگا۔

پاکستان کی تاریخ کا مطالعہ کرنے سے ایک قاری اس نتیجہ پر پہنچنے پر مجبور ہے کہ سیاست دان اگر اچھے نہ بھی ہوں تو خود جمہوریت میں اتنی قوت ہے کہ اس سے خود بخود کچھ نہ کچھ بہتری برآمد ہو جاتی ہے اور ملکی سلامتی کا جس قدر تحفظ عوام کی پشت پناہی سے کیا جا سکتا ہے وہ ایف 16 طیاروں اور الخالد ٹینک کے لئے ممکن نہیں آئیڈیل صورتِ حال یہ ہے کہ عوامی حکومت ہو اور فوج اپنی پوری قوت کے ساتھ سرحدوں کی حفاظت پر مامور ہو۔ اور وہ عوامی حکومت کے تابع ہو لیکن یہاں ایک اہم بات فیصلہ کن ثابت ہوگی کہ جمہوریت کوئی نظام نہیں بلکہ طرزِ حکومت ہے۔ اور ہر طرزِ حکومت کو کسی نظام کی چھت' یا سائبان کی ضرورت ہے نظام اگر ظالمانہ اور غیر منصفانہ ہے تو جمہوریت کے ثمرات محدود طبقے کو میسر آئیں گے اور نظام اگر عادلانہ اور منصفانہ ہے تو اس کے ثمرات عام ہو جائیں گے۔ امریکہ اور مغربی یورپ نے سرمایہ دارانہ نظام کے تحت جمہوری طرزِ حکومت اختیار کیا۔ یہ نظام اگر چہ ظالمانہ ہے لیکن خالص جمہوری طرزِ حکومت ہونے کی وجہ سے مقتدر طبقہ کو اس کے کچھ نہ کچھ ثمرات اپنے عوام تک پہنچانے پڑتے ہیں۔ لیکن غیر ممالک اور دوسری کمزور اقوام سے بدترین ڈنڈی مارتے ہیں۔ اقتصادی لحاظ سے اُن کا خون نچوڑتے ہیں اُن پر اپنی معاشرت ٹھونستے ہیں اور سیاسی و عسکری لحاظ سے اپنے مفادات کے تحفظ کے لئے ان پر ڈیزی کٹر بم برساتے ہیں۔

تصور کریں اگر یورپ اور امریکہ میں جمہوریت کسی عادلانہ نظام کے تحت قائم ہوتی تو اُن کی سائنسی ترقی انسانیت کے لئے کس قدر مفید ہوتی۔ امریکہ آج عراق اور افغانستان پر بم گرانے کی بجائے وہاں غربت جہالت اور بیماری کے خلاف جنگ کر رہا ہوتا لیکن سرمایہ دارانہ نظام نے جو دولت کی ہوس پیدا کی ہے اس کا نتیجہ ہے کہ وہ زمین کے نیچے سے اور سمندر کی تہہ سے ساری دولت سمیٹ لینا چاہتا ہے۔ لہٰذا دنیا میں ظلم و بربریت کا بازار گرم کئے ہوئے ہے۔ ترقی پذیر اور پسماندہ ممالک میں اگر سرمایہ دارانہ نظام

ہوگا تو وہاں کا مقتدر طبقہ اپنی ہی عوام کو لوٹنے پر مجبور ہوگا۔ طرزِ حکومت اگر آمرانہ یا مصنوعی جمہوریت کا اختیار کیا ہوگا تو لوٹ کھسوٹ بھی زیادہ ہوگی اور ملکی مفادات کو بھی عوامی ردعمل سے لاتعلق ہو کر ذبح کیا جائے گا۔

پاکستان کا معاملہ زیادہ نازک اور حساس ہے۔ اس کے چار صوبے ہیں جہاں **97.5** فیصد مسلمان بستے ہیں لیکن مذہب کے سوا ان کی کوئی شے مشترک نہیں زبانیں مختلف' لباس مختلف' کلچر مختلف' طرزِ بود و باش مختلف' رسم و رواج مختلف اگر واحد قدر مشترک کو نظر انداز کر دیں تو ایک ملک رہنے کا جواز ختم ہو جاتا ہے۔ اہل بصیرت اور مخلص لوگ تو روزِ اول سے ہی یہ جانتے تھے کہ پاکستان کو اسلام کے عادلانہ نظام کی چھت تلے جمہوری طرزِ حکومت اپنانا ہوگا یعنی مغربی جمہوریت کی طرح مادر پدر آزاد جمہوریت نہیں بلکہ شرعی حدود کے دائرے میں رہ کر عوام کی نمائندگی کرنے والی حکومت۔

یہاں ایک غلط فہمی دور کر لینی چاہئے کہ مادر پدر آزاد مغربی طرز جمہوریت جو چاہئے تو دو مردوں کو شادی کی اجازت دے دے یا رضامندی سے بدکاری کو جائز قرار دے دے تو ایسی جمہوریت یقیناً خلافِ اسلام کفر بلکہ شرک ہے۔ لیکن جو لوگ سرے سے ہی جمہوریت کے خلاف ہیں اور انہیں جمہوریت کسی بھی صورت میں قبول نہیں وہ اس سوال کا جواب دیں کہ جب خلیفہ مامور من اللہ نہیں ہوگا تو کس طرح فیصلہ کیا جائے گا کہ حکومت کون بنائے گا ہر شخص حکمران بننے اور کہنے کا دعویدار ہو سکتا ہے۔ اسلامی نظام کے قیام کے بعد کوئی نہ کوئی طرزِ حکومت اختیار تو کرنا ہوگا۔ ایسا سسٹم کیسے اختیار کیا جا سکے گا کہ حاکم وقت کے انتقال یا کسی دوسری وجہ سے اس کے منظر سے غائب ہو جانے کے بعد انتقال اقتدار پُرامن طور پر ہو سکے۔

حضرت عمرؓ کا دورِ خلافت تھا آپ حج کے لئے مکہ مکرمہ تشریف لے گئے وہاں آپ کے کان میں یہ بات پڑی کہ کچھ لوگ کہہ رہے ہیں کہ عمر کے انتقال کے بعد ہم فلاں شخص کے ہاتھ پر فوری طور پر بیعت کر لیں گے۔ اس کا حضرت عمرؓ نے فوری نوٹس لیا۔ البتہ حکمت کے تحت اپنا ردعمل مدینہ واپس آنے تک ملتوی کر دیا۔ مدینہ پہنچ کر آپ نے لوگوں کو اکٹھا کر کے خطبہ دیا اور فرمایا کہ کسی کو حق حاصل نہیں کہ وہ عوام کا حق غصب کریں۔

لہٰذا پاکستان جو اسلام کے نام پر حاصل کیا گیا ہے اس میں آمریت کی کوئی گنجائش نہیں چاہے وہ باوردی ہو یا بے وردی۔ پاکستان اسلامی جمہوریہ پاکستان کہلانے کا صرف اس صورت میں حقدار ہے اگر یہاں اسلامی نظام کے تحت جمہوری طرزِ حکومت اپنایا جائے۔ ماضی قریب کی تاریخ گواہ ہے کہ مغربی طرزِ جمہوریت نے ہمیں لوٹ کھسوٹ اور ہنگاموں کے سوا کچھ نہ دیا اور وردی ہماری جغرافیائی حدود کی حفاظت بھی نہ کر سکی۔ اب دنیا ہماری نظریاتی حدود پر حملہ آور ہے اس کی حفاظت کیسے ہوگی؟

پریس ریلیز

31 [illegible] 2004ء

مقبوضہ کشمیر میں آزادی کے لئے لڑی جانے والی جنگ بالکل جائز اور جہاد حریت ہے اور آزادی کی اس جنگ میں مرنے والے مسلمان مجاہدین شہید ہیں۔ یہ بات بانی تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد نے مسجد دارالسلام باغ جناح میں خطاب جمعہ کے دوران کہی۔ انہوں نے کہا کہ جہاد کشمیر کے حوالے سے میرے ایک بیان کی غلط رپورٹنگ سے کچھ غلط فہمی پیدا ہوئی ہے۔ دراصل میں جہاد کشمیر کو جہاد فی سبیل اللہ تسلیم نہیں کرتا کیونکہ جہاد فی سبیل اللہ کے لئے بہت سی شرائط کا پورا ہونا ضروری ہے۔ ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ کشمیریوں کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنی آزادی کے لئے جہاد کریں لیکن میرا موقف یہ ہے کہ اگر وہ یہ کام مسلح انداز میں نہ کرتے بلکہ عوامی تحریک چلاتے تو ان کی جدوجہد زیادہ نتیجہ خیز ہوتی اور اتنی زیادہ ہلاکتیں نہ ہوتیں، اتنی آبادیاں نہ جلتیں اور نہ ہی عصمت دری کے اس قدر واقعات ہوتے۔ انہوں نے کہا کہ البتہ اس معاملے میں حکومت پاکستان کا کردار درست نہیں رہا، ایک طرف تو بھارت سے سفارتی تعلقات برقرار رکھے گئے دوسری طرف جہاد کے لئے لوگوں کو کشمیر بھجوایا جاتا رہا۔ ریاست کی سطح پر یہ طرز عمل اسلام کی رو سے درست نہیں۔ چنانچہ اس غلطی کا نتیجہ یہ نکلا کہ اب بالآخر حکومت اس جہاد کو دہشت گردی تسلیم کرنے پر مجبور ہے اور اُسے بعض جہادی تحریکوں کو بین کرنا پڑا ہے۔ انہوں نے کہا کہ البتہ اس جہاد کیلئے جانے والے لوگوں کا معاملہ اس کے برعکس ہے، وہ اپنی نیت کے حوالے سے اللہ کے ہاں ماجور ہوں گے۔

ڈاکٹر اسرار احمد نے اپنے خطاب میں حالیہ زلزلے اور سیلاب کے حوالے سے کہا کہ احادیث کی رو سے یہ قرب قیامت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے، لیکن افسوس کہ ہم اس قدر غفلت کا شکار ہیں کہ اس سانحے سے عبرت حاصل کرنے کی بجائے اس کے اسباب دریافت کرنے میں لگے ہوئے ہیں۔ حالانکہ یہ سب اللہ کے حکم سے ہے اور اللہ کی ناراضگی کی علامت ہے۔ اس واقعے میں ہمارے لئے تنبیہہ اور یاد دہانی کا سامان موجود ہے چنانچہ ہمیں فضول بحثوں میں الجھنے کی بجائے اپنے اعمال درست کرنے چاہئیں۔

بانی تنظیم اسلامی نے صدر پرویز مشرف کے ریڈیو اور ٹی وی پر قوم سے خطاب پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ اگرچہ صدر اپنی تقریر میں وردی برقرار رکھنے کا جواز پیش کرنے میں ناکام رہے ہیں لیکن اپوزیشن بالخصوص دینی جماعتوں کو وردی کا پیچھا چھوڑ کر ملک میں نفاذ اسلام کے مطالبے کی مہم شروع کرنی چاہئے۔ کیونکہ میرے نزدیک صدر مشرف بظاہر احوال پاکستان کے خیر خواہ نظر آتے ہیں' لیکن اصل مسئلہ یہ ہے کہ وہ وطن عزیز کے قیام کی بنیاد اور اس کے استحکام کی اساس کے بارے میں صحیح معلومات نہیں رکھتے کہ وہ صرف اور صرف اسلام ہے۔ اس ملک میں اس قدر قومیں، نسلیں اور مختلف زبانوں والے لوگ آباد ہیں کہ اگر دین و مذہب کو الگ کر دیا جائے تو ان کے اتحاد و اتفاق کی کوئی گراؤنڈ باقی نہیں رہتی۔ دعا ہے کہ وہ جان جائیں کہ اس ملک میں اسلام کی جڑوں کو مستحکم کئے بغیر ملکی استحکام کی کوئی کوشش بارآور نہیں ہو سکتی۔ ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ اپنے اصل کے اعتبار سے جمہوریت اس دور کا سب سے بڑا شرک ہے کیونکہ اس کی بنیاد عوامی حاکمیت پر ہے جبکہ اسلام میں اللہ کے سوا کسی کی حاکمیت جائز نہیں۔ مزید برآں جب تک اس ملک میں جاگیرداری نظام موجود ہے جمہوری نظام کی گاڑی اسی طرح پٹڑی سے اُترتی رہے گی۔ لہٰذا دینی جماعتوں کو وردی کے ایشو کی بجائے اسلامی نظام کے قیام کے لئے تحریک چلانی چاہئے۔ کیونکہ صدر مشرف نہ رہے تو امریکہ کا منظورِ نظر کوئی دوسرا جرنیل اقتدار کی کرسی پر براجمان ہو جائے گا اور وردی اور جمہوریت کی اس جنگ میں ملک اسی طرح سیکولرازم کی طرف بڑھتا رہے گا' جس کا راستہ روکنا ہی دراصل اس وقت کا سب سے اہم ایشو ہے۔

(جاری کردہ: شعبہ نشر و اشاعت' تنظیم اسلامی)

اسلام آباد کے سینئر رفیق تنظیم ریاض حسین صاحب کی والدہ محترمہ گزشتہ دنوں انتقال فرما گئی ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ رفقاء و قارئین ندائے خلافت سے اُن کے حق میں دعائے مغفرت کی اپیل ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی خطاؤں سے درگزر فرماتے ہوئے انہیں جنت الفردوس عطا فرمائے اور لواحقین کو اس صدمے کی کیفیت میں صبر جمیل سے نوازے۔ آمین!

قرآن مجید ایک مکمل ضابطہ حیات ہے

فرید اللہ خان مروت' ادارتی معاون ''ندائے خلافت''

قرآن ایک مکمل منشورِ زندگی ہے۔ یہ ایک بہترین ضابطہ حیات ہے۔ اس میں رہنما اصول موجود ہیں۔ نبی کریم ﷺ کے اسوہ پاک کی شکل میں اس کی عملی تعبیر بھی ہمارے سامنے ہے۔ نہ قرآن کا کوئی رخ دھندلایا ہے اور نہ شریعت کا کوئی انداز مرجھایا ہے۔ دونوں آج بھی ویسے ہی شگفتہ ہیں جیسے صدیوں پہلے تھے۔ محافظ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اس سے بڑا محافظ اور کوئی نہیں۔ قرآن نے تفصیلی احکام دیئے ہیں' ہر لحظہ بدلتے ہوئے معاشرتی اور سیاسی حالات کے لئے اس میں رہنما اصول موجود ہیں۔ قرآن پاک اسلام کی الہامی کتاب ہے۔ اس کتاب کو تمام دنیا اور قیامت کے لئے رہنما اصولوں کا حامل بنایا گیا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے ''تمہارے پاس اللہ کی طرف سے ایک نور اور واضح کتاب آ چکی ہے۔ اس کے ذریعے سے اللہ ایسے لوگوں کو جو رضائے حق کے طالب ہوں' سلامتی کی راہ بتلاتا ہے اور ان کو اپنی توفیق سے تاریکیوں سے نکال کر روشنی کی طرف لے آتا ہے اور ان کو راہِ راست دکھلاتا ہے۔'' (مائدہ:16,15)

قرآن ہمیں سلامتی کا راستہ بتلاتا ہے اور تاریکیوں سے نکال کر روشنی کی طرف لے آتا ہے لیکن آج صورت حال یہ ہے کہ ہم نے قرآن کو الماریوں کی زینت بنا رکھا ہے۔ یہ کتاب ہدایت ہے۔ اس کے نور سے دل منور ہونے چاہئیں۔ یہ کتاب ڈراتی بھی ہے اور خوشخبری بھی دیتی ہے۔ گمراہوں کے لئے ہدایت اور بیمار روحوں کے لئے شفا ہے۔

مرتب ہو گیا منشورِ حق' دستور آزادی
نظام کفر و باطل کے مقدر میں تھی بربادی

آج ہماری آنکھیں مغرب کی چکاچوند سے اس قدر چندھیا چکی ہیں کہ ان اندھی آنکھوں کو اب قرآن کا نور نظر ہی نہیں آتا۔ آج دنیا میں ہماری ذلت و رسوائی کی وجہ ترکِ قرآن ہی ہے۔ جیسا کہ حضور ﷺ نے فرمایا: ''بے شک اللہ اس کتاب کے ذریعے بہت سی قوموں کو عروج و اقبال عطا فرمائے گا اور بہت سی قوموں کو ذلیل و خوار کرے گا۔'' (رواہ مسلم)

اس حدیث کی صداقت ہمارے سامنے ہے۔ جب تک مسلمان قرآن پر عمل پیرا رہے اقوام عالم پر حکومت کرتے رہے لیکن جب سے انہوں نے قرآن مجید پر عمل کرنا چھوڑا ایسی ذلت میں گرفتار ہوئے کہ آج تک اس سے نہ نکل سکے اور جب تک اس کتاب ہدایت پر عمل نہیں کریں گے اسی ذلت میں گرفتار رہیں گے۔

کیا ہم نے اس بات پر غور کیا ہے کہ آخر کفار کی دنیاوی کامیابیوں و کامرانیوں کے اسباب کیا ہیں؟ وہ اقوام جو آج سے قبل تک جہالت اور لاعلمی کی اتھاہ گہرائیوں میں غرق تھیں' وہی آج زمین کے علاوہ دوسرے ستاروں پر دنیا آباد کرنے کی تگ ودو میں مصروف ہیں۔ ان کی کامیابیوں کی وجہ صرف یہ ہے کہ انہوں نے اپنی خامیوں پر غور کیا۔ کائنات میں غور کرنے کی دعوت کو قبول کیا' انہوں نے قرآن کی ایک ایک آیت اور نبی کریم ﷺ کی ایک ایک حدیث مبارکہ کو پرکھا' اس کی بنیاد پر تحقیق کی اور نتیجتاً وہ لوگ جو سائنسی علوم میں چند سو سال قبل تک مسلمان سائنس دانوں کے سامنے طفل مکتب تھے' آج سائنس کی دنیا کے بادشاہ کہلاتے ہیں۔

قرآن ہمیں بنیادی انسانی اوصاف جیسے سچائی' امانت' دیانت' رحم اور عدل کا درس دیتا ہے وغیرہ۔ جب تک قومیں ان بنیادی اوصاف کی حامل رہتی ہیں ترقی' تہذیب اور استقلال کی نعمت ان پر سایہ فگن رہتی ہے اور جوں جوں ان اصولوں سے منہ موڑ لیتی ہیں زوال' وحشت اور شکستگی ان کا مقدر بن جاتی ہے۔ یہاں تک کہ وہ تشخص اور انفرادیت کھو بیٹھتی ہے۔ اپنے سے قوی قوموں میں جذب ہو جاتی ہیں اور گمنامی کے گڑھوں میں گرفتار ہو جاتی ہیں۔

قرآن ہی نے بتوں کے پجاریوں کو توحید کا علمبردار بنا دیا' یتیموں اور کمزوروں کا مال کھانے والوں کو امین بنا دیا' خودسروں اور قانون شکنوں کو قانون کا مطیع اور فرمانبردار بنا دیا' جواریوں اور شرابیوں کو دیندار' خداترس اور پرہیزگار بنا دیا۔

اس حقیقت سے کون بے خبر ہے کہ اس قرآن کی آیات بڑے بڑے جابر حکمرانوں کے غصے اور انتقام کی آگ کو ٹھنڈا کر دیتی تھیں۔ دل رب کائنات کے حضور جھک جاتے تھے۔

قرآن میں انسانوں کو مسخر کرنے' مرعوب کرنے اور خالق کائنات کے سامنے جھکا دینے کی زبردست قوت پائی جاتی ہے۔ اسی وجہ سے کافر قرآن کا سامنا کرتے ہوئے گھبراتے تھے اور بعض تو کانوں میں روئی ٹھونس لیا کرتے تھے کیونکہ انہیں یقین تھا کہ سننے کے بعد اس سے متاثر ہونا ناممکن نہیں۔ قرآن کی اس زبردست قوت تسخیر نے کفار کو ہلا کر رکھ دیا تھا لیکن کیا وجہ ہے کہ آج ہم قرآن پڑھتے بھی ہیں لیکن ہل جانا اور کانپنا تو درکنار ہمارے کان پر جوں تک نہیں رینگتی۔ ہم نے قرآن کو حصول برکت کے لئے ایک رسمی کتاب بنا دیا ہے۔ ہم اسے خوبصورت غلاف چڑھا کر کسی اونچی جگہ پر رکھ دیتے ہیں اور وقتاً فوقتاً اسے اٹھا کر عقیدت سے چوم کر وہیں رکھ دیتے ہیں۔ لڑکی کو رخصتی کے موقع پر اس کو قرآن کے زیر سایہ رخصت کر دیا' کوئی مر گیا تو قرآن خوانی کر دی اور کوئی پریشانی ہوئی تو ختم قرآن کرا دیا اور بس قرآن کا حق ادا ہو گیا۔

کیا قرآن کا بس یہی حق' مقام اور مقصد ہے؟

آج کل ہر شخص اور گروہ نے پورے قرآن پر عمل کرنے کی بجائے قرآن کے کسی ایک حکم کو اپنا متاع حیات بنا لیا ہے اور وہ اسی دائرے میں گھومتا رہتا ہے مثلاً کسی نے نیکی پھیلانے کا ذمہ لے لیا ہے مگر برائی سے نہیں روکتا' کوئی عشق نبی ﷺ کے دعوے کر رہا ہے مگر نبی کے احکام پر عمل کرنے کو تیار نہیں' کوئی مخالف فرقے کے تسلط سے مسجدیں بچانے کی فکر میں ہے مگر ایمان بچانے سے غافل ہے' کوئی ناموس صحابہؓ کے لئے لڑنے مرنے کو تیار ہے لیکن صحابہؓ جیسا بننے کو تیار نہیں۔ کوئی اہل بیت پر جان نثار کرنے کو تیار ہے لیکن ان اہل بیت کے نبی ﷺ کے احکام ماننے کو تیار نہیں' کوئی حقوق العباد کے چکر میں حقوق اللہ کو فراموش کئے بیٹھا ہے تو کوئی حقوق اللہ کو پورا دین سمجھتے ہوئے حقوق العباد سے روگردانی کر رہا ہے۔

الغرض جب تک ہم جزئیات کی بجائے مکمل دین اور پورے کے پورے قرآن پر عمل پیرا نہیں ہوں گے نہ ہمیں دنیا میں عزت و کامیابی ملے گی اور نہ آخرت میں کامیاب ہو سکتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں مکمل طور پر قرآن میں غوطہ زن ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ بقول علامہ اقبال

قرآن میں ہو غوطہ زن اے مردِ مسلماں
اللہ کرے تجھ کو عطا جدتِ کردار

گاندھی جی کا رویہ

سید قاسم محمود

امت مسلمہ کے مفاد کے نقطہ نظر سے مسلمانانِ ہند کو جو ملی مسائل درپیش تھے' جن کا تذکرہ ''ندائے خلافت'' کے گزشتہ شمارے میں ہوا' اُن کی بناء پر انہوں نے انڈین نیشنل کانگریس کے ساتھ بھرپور تعاون کیا اور کانگریس کے نعرے ''ہندو مسلم اتحاد'' کی خاطر ایسی ناروا باتیں بھی تسلیم کرلیں جو امن کے زمانے میں قبول نہیں کی جاسکتی تھیں' مثلاً ذبیحہ گاؤ پر پابندی۔ انگریزوں کو ہندوستان سے نکال باہر کرنے کے مشترکہ نصب العین کے تحت بے مثال ''ہندو مسلم اتحاد'' ہوا' لیکن ''ہندو مسلم اتحاد'' کا پرچم لے کر ہندوؤں کے جو لیڈر آگے آئے' وہ اس مقصد سے مخلص نہیں تھے۔ بغل میں چھری' منہ میں رام رام اُن کا وطیرہ تھا۔ اس کے باوجود مسلمانوں نے آنکھیں بند کرکے اُن کی پیروی کی۔ ابتدا میں تو اِن لیڈروں نے اپنا اصل رنگ نہیں دکھایا' اس لئے بڑے بڑے مسلمان بھی ان کی بگلا بھگتی سے فریب کھا گئے۔ بعد میں ہندو لیڈروں کے دلوں کا کھوٹ رنگ لایا اور یہ ہم آہنگی دیرپا ثابت نہ ہوئی۔ ''ہندو مسلم اتحاد'' کا نعرہ لگانے والے' ایسے متعصب بلکہ منافق لیڈروں میں پنڈت مدن موہن مالویہ' کرم چند موہن داس گاندھی اور سوامی شردھانند تھے۔

پنڈت مالویہ کی پوری زندگی کا مشن تین باتوں پر تھا:

1) اُردو زبان کا خاتمہ اور اُس کی جگہ ہندی کا اجرا۔

2) ذبیحہ گاؤ بند کرانا' کیونکہ گائے ہندوؤں کا مقدس جانور ہے۔

3) برہمن راج کا احیاء۔

گاندھی جی پہلی دو باتوں میں تو پنڈت جی سے متفق تھے' لیکن تیسری بات میں وہ فراخ دل نہ تھے۔ وہ برہمنیت کی بجائے ہندو راج چاہتے تھے۔ ہندو راج کے لئے مسلمانوں کا تعاون ضروری تھا' لیکن جب بھی مسلمانوں سے اتحاد کرنے اور اُن کا غیر مشروط تعاون حاصل کرنے کے ضمن میں گفتگو ہوئی تو مسلمانوں کی نمائندگی کا سوال قدرتی طور پر پیدا ہوا جو کبھی منصفانہ طور پر طے نہ ہوسکا۔ یہ مسئلہ بھی محمد علی جناح کی کوششوں سے حل ہوا۔ انہوں نے 1916ء میں لکھنؤ میں ایک متفقہ فارمولا تمام ہندو مسلم سے منظور کرالیا اور اس طرح ''ہندو مسلم اتحاد'' کے نظریاتی اتحاد نے ایک عملی شکل اختیار کی۔ اگرچہ اس اتفاق و اتحاد کے بعد بھی ہندو مسلم فسادات ہوئے' لیکن بہ حیثیت مجموعی مسلمانوں اور ہندوؤں کا میلان یک جہتی کی طرف تھا۔ پھر رولٹ ایکٹ کے خلاف احتجاجی تحریک۔ (جنوری 1919ء) اور جلیانوالہ باغ (اپریل 1919ء) امرتسر میں انگریز کی اندھا دھند فائرنگ نے ہندو مسلم اتحاد کی تحریک کو اور زیادہ مضبوط و مستحکم کردیا۔ تحریک خلافت میں' یعنی احیائے خلافت کے لئے مسلمانوں کے لیڈر گاندھی جی بن گئے تھے۔ اس لئے یہاں اُن کے رویے کا تذکرہ ضروری معلوم ہوتا ہے۔

گاندھی جی کی پرورش اور تربیت شروع دن سے کٹر ہندو مذہبی ماحول میں ہوئی تھی۔ اُن کے دل میں انگریزوں کے خلاف عیاں اور مسلمانوں کے خلاف خفیہ کدورت بھری ہوئی تھی۔ مہاراشٹر کے ہندو' بنیئے اور تجارت پیشہ لوگ قومیت کے جذبے سے سرشار تھے' لیکن مسلمانوں اور انگریزوں کے مقابلے میں انتہائی احساسِ کمتری میں مبتلا تھے۔ مہاراشٹر میں گاؤکشی بند کرانے کا جذبہ شدید تھا' اس کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ ہندوؤں میں عام طور پر یہ مشہور تھا کہ مسلمانوں کی جسمانی طاقت کا سبب گوشت خوری ہے' جبکہ سبزی خور بزدل' کمزور اور غبی ہوتے ہیں۔

گاندھی جی نے اپنی خودنوشت سوانح میں اقرار کیا ہے کہ اُن کے بڑے بھائی اور ایک دوست نے مسلسل کئی روز تک مثالیں دے کر یقین دلایا کہ اُن کے بعض اساتذہ اور طلبہ بھی گوشت کھاتے ہیں' تاکہ قوی اور بہادر ہوجائیں' کیونکہ گوشت کھانے والے قوی اور بہادر ہوتے ہیں۔

گاندھی جی لکھتے ہیں: ''میں نے طاقت اور جرأت مند بننے کے لالچ میں گوشت کھانا شروع کیا۔ میں بے حد ڈرپوک اور انتہائی بزدل تھا۔ سایے سے بھی ڈرتا تھا۔ ایک گجراتی شاعر نرمد کا ایک شعر ہم سکول کے لڑکوں کی زباں زد تھا: ''طاقتور انگریز کو دیکھو وہ بونے ہندو پر حکومت کرتا ہے' اس لئے کہ وہ گوشت کھاتا ہے۔ وہ لمبا تڑنگا ہے' اس لئے کہ وہ گوشت کھاتا ہے''۔ میں بھی مسحور ہوگیا اور مجھے یقین ہوگیا کہ اگر سب ہندوستانی گوشت کھانے لگیں تو انگریز مرعوب اور مغلوب ہوجائیں گے''۔ ظاہر ہے کہ ''سب ہندوستانی'' سے مراد صرف ہندو ہیں' ورنہ مسلمان تو پیدائشی گوشت خور تھے۔ یہی ''سب ہندوستانی'' کی ترکیب گاندھی جی کی سیاست کی جان ہے۔ اُن کے نزدیک ہندوستان اور ہندو مترادف ہیں۔ انہوں نے اپنے اندز' مسلمانوں کو کبھی ہندوستانی نژاد سمجھا ہی نہیں۔

گاندھی جی مزید لکھتے ہیں: ''میں نے چھپ کر دوستوں کے ساتھ گوشت کھانا شروع کیا۔ میرے والدین کٹر قسم کے ہندو تھے۔ وہ پابندی سے روزانہ مندر جاتے' باقاعدگی سے پوجا پاٹ کرتے۔ ہمارے خاندان کا مندر الگ تھا۔ گجرات میں گوشت خوری کے خلاف سخت نفرت اور حقارت تھی۔ ہندوستان کے دوسرے علاقوں میں یہ نفرت عام تھی' لیکن گجرات میں بہت شدید تھی۔ میں گوشت لذت کی خاطر نہیں کھاتا تھا' بلکہ طاقتور اور بہادر بننے کے لئے۔ میں نے ''خفیہ'' کا بندوبست کرکے اپنے طور پر یوں سمجھ لیا کہ والدین سے اس کام کو چھپانا ''سچائی'' کے خلاف نہیں ہے''۔

ایک اور اقتباس: ''اسٹیٹ ہاؤس میں گوشت کی شاندار ضیافتوں کا سلسلہ جاری رہا' لیکن یہ ضیافتیں بہت مہنگی پڑتی تھیں۔ چوری چھپے گوشت کھانے کے ساتھ ساتھ چھوٹی موٹی رقموں کی چوری کا سلسلہ بھی شروع ہوگیا۔ لیکن مسلسل خفیہ طور پر گوشت کھانا اور جھوٹ بولنا' اور روپیہ چرانا مجھے برا معلوم ہوا۔ میں نے سوچا' جب والدین نہیں ہوں گے اور میں خودمختار ہوجاؤں گا تو علانیہ گوشت کھاؤں گا''۔

گاندھی جی نے ''منوسمرتی'' کا گہرا مطالعہ کیا تھا۔ یہ ہندومت کی مقدس قانونی کتاب ہے۔ لکھتے ہیں کہ ''منوسمرتی سے اہنسا کا سبق نہیں ملتا' بلکہ یہ قانون گوشت کھانے کی ترغیب دیتا ہے' اسی لئے سانپ اور دوسرے جانوروں کو مارنا بالکل درست ہے''۔

انہوں نے انگریزوں کے خلاف ستیہ گرہ کی تحریک چلائی۔ 1916ء میں اس تحریک کے تحت چمپارن (صوبہ بہار) میں ستیہ گرہ (بائیکاٹ) کرائی۔ کسانوں میں بیداری پیدا کی اور تحفظ گاؤ کی ترغیب بھی اس تحریک میں شامل کرلی۔ اس کے بعد کھیدا (ضلع گجرات) میں پہلی جنگ عظیم کے دوران ستیہ گرہ کی تحریک چلائی' لیکن ناکامی ہوئی۔ جب دیکھا کہ لوگ تھک گئے ہیں تو ستیہ گرہ ختم کرنا چاہی۔ لیکن کیونکر ختم کی جائے۔ اپنی عزت کا سوال تھا۔ اپنی ''خودنوشت'' میں لکھتے ہیں: ''میں ستیہ گرہ ختم کرنے کا کوئی معقول طریقہ سوچ ہی رہا تھا کہ قدرت نے ایک بہانہ پیدا کردیا''۔ (یعنی تحریک خلافت)

مزید لکھتے ہیں: ''اُس وقت جنگ عظیم زوروں پر تھی۔ وائسرائے نے جنگ کانفرنس بلائی۔ سب لیڈروں کو دہلی بلایا۔ میں دہلی چلا گیا۔ علی برادران کو اس کانفرنس سے علیحدہ رکھا گیا۔ وہ دونوں اُس وقت جیل میں تھے۔ میں

اب تک اُن سے صرف ایک دفعہ ملا تھا۔ اگرچہ میں ان کی شہرت سن چکا تھا۔ میں حکیم اجمل خان سے بھی اچھی طرح واقف نہیں تھا۔ میں صرف مسٹر شعیب قریشی اور مسٹر خواجہ سے مسلم لیگ کے اجلاس کلکتہ کے موقع پر ملا تھا۔ ڈاکٹر انصاری اور ڈاکٹر عبدالرحمٰن سے بھی واقفیت تھی۔ میں مسلمان لیڈروں کی دوستی کا خواہشمند تھا۔ میں مسلمانوں کے مخلص، محبِ وطن رہنماؤں سے مل کر اُن کے دماغ کو سمجھنا چاہتا تھا' اس لئے مجھے اُن سے میل جول کے لئے کسی دباؤ کی ضرورت نہ تھی''۔ (ان سطور میں گاندھی جی نے درحقیقت اپنے خلاف اس الزام کا جواب دینے کی کوشش کی ہے کہ تحریک خلافت کے وقت گاندھی جی انگریز وائسرائے کے اشارے پر مسلمانوں کے ساتھ ہوئے تھے)۔

''بہت پہلے افریقہ ہی میں میں نے یہ پختہ خیال قائم کر لیا تھا کہ ہندوؤں اور مسلمانوں میں حقیقی دوستی کبھی نہیں ہو سکتی۔ جنوبی افریقہ کے قیام کے دوران میرے تجربات نے یہ یقین بھی راسخ کر دیا تھا کہ ہندو مسلم اتحاد کے مسئلے کے وقت میرے عدم تشدد (اہنسا) کی آزمائش ہوگی' اور اس مسئلے سے عہدہ برآ ہونے کے لئے اہنسا کے نظریے اور تجربے کو وسیع کرنا ہوگا۔ میرا یقین اب بھی برقرار ہے۔ تاہم افریقہ سے آنے کے بعد میں نے علی برادران سے تعلق پیدا کرنا ضروری سمجھا''۔

اب دیکھئے گاندھی جی نے منوسمرتی کے مطالعے سے یہ معلوم کر لیا تھا کہ گوشت کھانا جائز ہے۔ جھوٹ بولنا' مکر کرنا یا اپنا عقیدہ چھپانا کوئی غیر اخلاقی بات نہیں۔ اُن کا یہ پرانا یقین برقرار تھا کہ ہندوؤں اور مسلمانوں میں حقیقی دوستی کبھی نہیں ہو سکتی' اس کے باوجود انہوں نے سیاسی مصلحت کے تحت علی برادران سے تعلق پیدا کرنا ضروری سمجھا' اور وہ بھی صرف اس مقصد سے کہ مسلم رہنماؤں کے ''دماغ'' کا مطالعہ کر سکیں۔ چنانچہ لکھتے ہیں: ''علی برادران جیل میں تھے۔ میں نے اُن کی رہائی کے لئے حکومت سے خط و کتابت کی۔ انہی ایام میں میں نے اُن کے نظریۂ خلافت کا مطالعہ کیا۔ مجھے نظریۂ خلافت کے صحیح ہونے سے کوئی سروکار نہ تھا' البتہ یہ ہے کہ اس میں شرکت اخلاق کے منافی نہیں تھی''۔

یہی وجہ ہے کہ گاندھی جی اُن مظالم سے بے تعلق رہے جو عالمِ اسلام پر انگریز سامراج نے توڑے' بلکہ حقائق و شواہد سے اب ثابت ہو چکا ہے کہ وہ انگریزوں کے اتحادی تھے اور مسلمانانِ عالم کے خلاف انگریزوں کی تمام خفیہ سازشوں سے باخبر تھے۔ وہ بڑے بھولپن سے مسلمانوں کو انگریزی تعلیم نہ پانے' نوکریاں چھوڑنے اور انہیں انگریزوں کے خلاف جوش دلانے میں مشغول رہے۔ انہوں نے ہندی مسلمانوں سے ہندوؤں کے تمام مطالبات منوانے کی کوشش کی۔ جب علی برادران جیل میں تھے اور دوسرے مسلمان رہنما قید و بند کی صعوبتوں سے گزر رہے تھے تو گاندھی جی نے ہندوؤں کو فوج میں بھرتی کرانے کی مہم شروع کی۔ اس مہم کو کامیاب بنانے کے لئے گاؤں گاؤں پھرے اور اپنی صحت تک بگاڑ لی۔ اہنسا کے تمام اصول بالائے طاق رکھ دیئے۔ اسی طرح انہوں نے ہندوؤں کو کھلم کھلا ہتھیار رکھنے اور اٹھانے کی اجازت دی۔

گاندھی جی کی اصل اور حقیقی آرزو اور کوشش یہ تھی کہ ہندوؤں کو خودمختار حکومت کے لئے تیار کیا جائے اور اُن پر تھوڑا بہت انگریزوں کا اقتدار بھی قائم رہے۔ گاندھی جی حصولِ آزادی (1947ء) تک مکمل آزادی کے خواہشمند نہ تھے۔ چنانچہ انہوں نے اپنے پرستاروں کو انگریزوں کی مدد پر آمادہ کیا' ان کو فوج میں بھرتی کرایا اور اس کے صلے میں حکومت برطانیہ سے ہندوؤں کو مدد دینے کی اپیل کی۔

گاندھی جی ستیہ گرہ' بائیکاٹ' ہڑتال اور نیشنل کانگرس کے رہنما رہے تھے۔ اس زمانے میں جلیانوالہ باغ کے سانحے کی وجہ سے لوگوں میں سخت اشتعال تھا۔ امرتسر' لاہور' احمد آباد اور بمبئی میں احتجاجی جلوس نکالے گئے۔ احمد آباد میں ایک افسر قتل کر دیا گیا۔ گاندھی جی نے ستیہ گرہ فوراً بند کر دی اور لیڈری چھوڑ کر خاموشی سے بمبئی جا کر ایک اخبار کے ایڈیٹر بن کر بیٹھ گئے۔

فروری 1919ء میں رولٹ ایکٹ شائع ہوا۔ پورے ہندوستان میں اس ایکٹ کے خلاف احتجاج ہوا۔ دہلی میں لیڈروں کی ایک کانفرنس طلب کرنے کا فیصلہ ہوا۔ شردھانند نے گاندھی جی کو مدعو کیا۔ دعوت نامے پر شردھانند' حکیم اجمل خان اور آصف علی کے دستخط تھے۔ گاندھی جی یہ دعوت نامہ پا کر بہت خوش ہوئے۔ اپنی خودنوشت میں لکھتے ہیں: ''میں کانفرنس میں گیا۔ یہاں اچھا خاصا مجمع تھا۔ میں نے گئو رکھشا (گائے کے تحفظ) کے بارے میں شردھانند جی سے گفتگو کی (کہ کانفرنس میں کیا پالیسی اختیار کی جائے)۔ انہوں نے میرے استدلال کو پسند کیا اور کانفرنس میں یہ سوال اٹھانے کی ذمہ داری مجھ پر ڈال دی۔ میں نے اپنے طور پر پہلے حکیم اجمل سے مشورہ کیا۔ پھر کانفرنس کے سامنے میں نے کہا: ''اگر خلافت کا معاملہ سچا ہے اور یقیناً سچا ہے اور حکومت برطانیہ نے سخت ناانصافی کی ہے تو ہندو بھی مسلمانوں کی حق تلافی کا مداوا کرنے میں مسلمانوں کے ساتھ شریک ہونے پر مجبور ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس موقع پر گئو رکھشا کا سوال اٹھانا یا مسلمانوں پر اس کی شرط لگانا ہندوؤں کے لئے فی الحال مناسب نہیں''۔

گاندھی جی نے بساطِ سیاست پر اپنی خفیہ چالیں چل کر مسلمانوں کو اس طرح گھیرے میں لے لیا کہ وہ اتنی صاف اور واضح چال کو نہ سمجھ سکے۔ اس کانفرنس میں گاندھی جی نے سودیشی کپڑے کے بائیکاٹ کی تجویز پیش کی۔ مولانا حسرت موہانی نے کہا کہ صرف سودیشی کپڑے ہی کا کیوں' تمام انگریزی مال کا بائیکاٹ کیا جائے۔ گاندھی جی نے اس کی مخالفت کی اور کہا کہ یہ ممکن نہیں ہے۔ وہ تو سودیشی کپڑے کے بائیکاٹ کی تحریک پہلے سے چلا رہے تھے جس کے ذریعے انہوں نے مسلمان جولاہوں کو اپنے قبضے میں لے لیا تھا' اور انگریزی سودیشی کپڑے کی درآمد اور خریداری ہندو تاجروں کے ذریعے ہونے لگی تھی۔ اس طرح ایک تیر سے دو شکار کئے جا رہے تھے۔ انگریزوں کا اس سودے میں کوئی نقصان نہیں تھا۔ گاندھی جی ایسا کوئی کام نہیں کرتے تھے جس سے انگریزوں کا نقصان ہو اور برطانیہ کی صنعت و حرفت پر زد پڑے۔ مولانا حسرت موہانی عمر بھر ان کی دوغلی اور منافقانہ سیاست کی مذمت کرتے رہے۔

اسی کانفرنس میں انگریزوں سے ''عدم تعاون'' کی تجویز منظور ہوئی۔ اس تجویز کے بارے میں گاندھی جی لکھتے ہیں: ''اس کانفرنس میں مسلمانوں نے ایک اہم تجویز منظور کی۔ یہ کہ اگر برطانیہ نے خلافت کے معاملے میں بدعہدی کی تو ہم حکومت سے تعاون نہیں کریں گے۔ ایک ماہ پہلے ہی میں نے امرتسر میں عدم تعاون کی تجویز کی مخالفت کی تھی' یہاں اس کانفرنس میں میں نے اس سے اتفاق کیا۔ اس لئے کہ مجھے یقین تھا کہ برطانیہ بدعہدی نہیں کرے گا''۔

ایک ماہ پہلے اس تجویز کی کیوں مخالفت کی تھی' اس کی وجہ نہیں بتائی اور اب چونکہ انگریز پر یقین تھا کہ بدعہدی نہیں کرے گا' اس لئے اتفاق کیا۔ حقیقت یہ ہے کہ ایک ماہ پہلے جلسے میں گاندھی جی کو معلوم تھا کہ کانگریس ہندوؤں کی ہے' اس لئے عدم تعاون اور بائیکاٹ کا بوجھ ہندوؤں کو اٹھانا پڑتا۔ چنانچہ اس تجویز کو منظور نہیں ہونے دیا اور اب خلافت سے متعلق اس کانفرنس میں' صرف ایک ماہ بعد ہی مسلمان عدم تعاون کی تجویز منظور کر رہے تھے تو اسے منظور کر لیا۔ وجہ یہ تھی کہ اس کا نتیجہ مسلمانوں کو بھگتنا پڑتا اور ہوا بھی یہی۔ مسلمانوں نے سرکاری ملازمتوں سے استعفے دیئے' انگریزی تعلیم ترک کی' خطابات واپس کئے' تجارت چھوڑی' جیلوں میں گئے اور زندگی کے ہر شعبے میں نقصان اٹھایا۔

(جاری ہے)

ضرورت دینی معلمہ

کیولری گراؤنڈ میں اسلامی سنٹر برائے طالبات کے لئے تحریکی' دینی معلمہ کم از کم گریجوایٹ کی ضرورت ہے۔

معقول تنخواہ۔ رابطہ: رانا اظہر

فون 0333-4213638, 7917797

مکتوب بھارت

تجارت کے کھلے میدان

محمد ابراھیم انصاری

ہندوستانی عوام معاشی بدحالی کے بدترین شکار ہیں۔ آج ملک میں کم از کم آٹھ کروڑ لوگ بیروزگار ہیں۔ بمبئی یونیورسٹی کے وائس چانسلر کے مطابق ان میں تقریباً دو کروڑ افراد اعلیٰ تعلیم یافتہ گریجوایٹ ہیں اور ان میں ہر سال زبردست اضافہ ہو رہا ہے' جبکہ ملازمتوں کا سارے ملک میں ایک کال پڑ گیا ہے۔ بیروزگار لوگ نان و جویں کے محتاج ہو رہے ہیں۔ ان میں مسلمانوں کا حال سب سے زیادہ خراب ہے۔ اعلیٰ تعلیم حاصل کرنا غریبوں کی کیا بات' درمیانہ طبقہ کی دسترس سے باہر کر دیا گیا ہے۔ تعلیم جاری رکھنا مشکل اور تعلیم حاصل کرلیں تو نوکری ملنا دشوار۔ اب کیا کریں کہاں جائیں؟ اب راستہ یہی کھلا ہے کہ نوجوان تجارت کے میدان میں کود پڑیں۔

چھوٹی صنعتیں بند ہو رہی ہیں۔ سرکاری ادارے نیلام کئے گئے ہیں اور دفاتر سے اسٹاف کو قبل از وقت خود ریٹائر ہو جانے کی ترغیب دی جا رہی ہے۔ آج تجارت کی گلوبلائزیشن کے نام پر ایک نیا عالمی اقتصادی نظام زیر عمل آ گیا ہے جس کے ذریعہ مغربی ممالک نے کمزور اور غریب ممالک کو اقتصادی' سیاسی اور ثقافتی طور پر اپنا محکوم بنا لیا ہے۔ اس وقت پوری دنیا میں ملٹی نیشنل کمپنیوں کی تعداد پانچ سو سے زیادہ نہیں ہے اور ساری دنیا کی آمدنی کا اسی فیصد حصہ ان کے پاس ہے' جن میں 153 کمپنیاں امریکہ کی' 55 یورپ اور 141 جاپان کی ہیں۔

اس معاہدے کے تحت ہندوستان جیسے ملک کی حیثیت خونخوار شیروں کے سامنے بکریوں جیسی ہے۔ ہمارا ملک دنیا کا ایک بڑا غریب ملک ہے۔ ہماری ترقی صرف کثرت آبادی اور فوجی طاقت میں اضافہ تک محدود ہے۔ ہمارا بھوکا ننگا ملک عسکری قوت میں ورلڈ پاور بنتا جا رہا ہے' جبکہ ہماری نصف آبادی غربت اور افلاس کی سطح سے نیچے زندگی گزار رہی ہے۔ ارباب اقتدار چین کی بنسری بجا رہے ہیں۔ گذشتہ چھ سالوں میں عوام کے دکھ درد دور کرنے کی بجائے بڑی عیاری سے فضول اور اشتعال انگیز معاملات ابھار کر اصل مسئلہ پر سے ان کی توجہ ہٹائی جا رہی ہے۔ جس ملک میں انسان کی اولاد کتے بلیوں کے ساتھ غلاظتوں کے انبار میں اپنی غذا کی تلاش کرتے دیکھی جاتی ہو اس ملک کے حکمرانوں کے لئے ہر سزا کم ہوگی۔ ملک میں سیاسی حالات کے نئے موڑ پر سونیا گاندھی جی نے ایک قابل اور نامور ماہر اقتصادیات کو وزارت عظمیٰ کی ذمہ داری سونپ دی ہے۔ امید ہے کہ حالات جلد درست ہوں گے۔

کسی بھی تشویشناک پس منظر میں کمزور طبقات پر سب سے پہلے ضرب پڑنا لازمی ہے۔ لہٰذا مسلمانوں کا بہت پریشان حال ہونا تعجب خیز نہیں ہے۔ بہرحال! اکابرین ملت کا اب تک صحیح رہنمائی کرنے سے غفلت میں مبتلا رہنا درگزر کر کے لوگ اب تو بیدار ہو جائیں۔

تعلیمات اسلام میں ہمیں کئی جگہ حضور اکرم ﷺ کے ارشادات میں یہ نصیحت ملتی ہے کہ تجارت کریں' اس میں بہت برکت ہے۔

آج کی دنیا میں بھی ہمیں ہر جگہ تاجر قومیں کامیاب نظر آتی ہیں۔ ہندوستان میں گجرات اور مارواڑ کے لوگ سارے ملک کی معیشت پر چھائے ہوئے ہیں۔ قوم یہود امریکہ اور یورپ کی تجارت پر قابض ہونے کی وجہ سے ہر حکومت کے سر پر سوار ہے۔ ہمارے ملک میں اکثر راجے اور نواب بھی بیوپاریوں کے مقروض ہوا کرتے تھے۔ یہی نہیں بلکہ آج کی جمہوریت میں سیاسی جماعتیں بھی سرمایہ داروں کی امداد کی طلبگار رہتی ہیں' اور دونوں ایک دوسرے سے خوب مستفید ہوتے رہے ہیں۔ بدقسمتی سے آج تاجرین نے دولت کی ہوس میں اپنے سرمایہ میں سودخوری اور رشوت کی آلائشوں کی آمیزش کر لی ہے جس سے اسلام سختی سے اجتناب کرنے کی تلقین کرتا ہے' اور متقی تاجر کو دنیا ہی نہیں آخرت میں بھی کامیابی کی ضمانت دیتا ہے۔

حضور نبی کریم ﷺ کا اثاثہ

آپ ﷺ کے پاس زرہ' کمانیں' تیر' نیزے اور ڈھال بھی تھے۔ آپؐ کے پاس تین جبے تھے' جن کو جہاد کے موقع پر استعمال کرتے تھے۔ آپؐ کے پاس ایک عصا تھا' اسے لے کر آپؐ چلتے تھے اور اس کے سہارے سواری پر بیٹھتے تھے اور اسے اپنے اونٹ پر لٹکا دیا کرتے تھے۔ آپؐ کے پاس لکڑی کا ایک پیالہ بھی تھا جس میں کنڈے لگے ہوئے تھے اور ایک شیشہ کا پیالہ بھی تھا۔ ایک ایسا پیالہ بھی تھا جو آپؐ کی چارپائی کے نیچے رات کو پیشاب کرنے کے لئے رکھا رہتا تھا۔

آپؐ کے پاس ایک مشکیزہ تھا اور ایک پتھر کا برتن بھی تھا' جس سے آپؐ وضو فرماتے تھے۔ نیز کپڑے دھونے کا برتن اور ایک ہاتھ دھونے کا بڑا برتن بھی تھا۔ تیل کی ایک شیشی تھی۔ ایک تھیلا تھا جس میں آئینہ اور کنگی رکھی رہتی تھی' آپؐ کی کنگھی ساگون کی تھی اور ایک سرمہ دانی تھی' جب آپؐ رات کو سوتے تو ہر آنکھ میں سرمہ اثمد کی تین سلائیاں ڈالتے۔ (اثمد سرمہ کی اعلیٰ قسم ہے اور آپؐ نے اس کی بہت تعریف اور لگانے کی تاکید فرمائی ہے) آپؐ کے پاس ایک آئینہ بھی تھا۔ نیز آپؐ کے تھیلے میں دو قینچیاں اور مسواک رہتی تھی۔ اس کے علاوہ آپؐ کے پاس ایک بہت بڑا پیالہ تھا' جس کے چار کنڈے تھے اور چار آدمی اسے اٹھاتے تھے اور ایک مد تھا۔ آپؐ کی چارپائی کے پائے ساگوان کی لکڑی کے بنے ہوئے تھے۔ آپؐ کے پاس ایک ڈنڈا بھی تھا۔

آپؐ کا بستر چمڑے کا تھا جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی۔ یہ کل سامان رسالت مآب ﷺ کا تھا جو مختلف احادیث میں مروی ہے۔ (زاد المعاد)

ترکہ: ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے ترکہ میں نہ دینار تھے' نہ درہم' نہ بکری اور نہ اونٹ۔ عمر بن حارثؓ کی حدیث میں ہے کہ آپؐ نے اپنے ترکہ میں کچھ نہ چھوڑا سوائے ہتھیاروں اور ایک خچر اور تھوڑی سی زمین کے وہ بھی صدقہ کر دی گئی تھی۔ (کتاب الشفاء)

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک پرانے کجاوہ پر حج فرمایا اس پر جو صوف کی چادر تھی وہ چادر درہم سے زیادہ کی نہ تھی۔ اس حال میں آپؐ نے یہ دعا مانگی۔

"اے اللہ اس کو خالص حج بنا جس میں ریا اور نمود نہ ہو حالانکہ آپؐ نے یہ حج اس وقت کیا تھا جب آپؐ پر زمین کے خزانے کھول دیئے گئے تھے اور اس حج میں سو اونٹ ہدی (قربانی) کے لئے ساتھ لے گئے تھے۔" (کتاب الشفاء)

(مرسلہ: لیفٹننٹ احمد سعود)

حسد

محترمہ زیرک ضیاء

حسد کی مذمت میں بہت سی احادیث وارد ہوئی ہیں۔

1۔ابوداؤد بروایت ابوہریرہؓ

''حسد نیکیوں کو ایسے کھاتی ہے جیسے آگ لکڑی کو''

2۔آپس میں حسد نہ کرو' نہ ایک دوسرے سے ملنا چھوڑو' نہ بغض کرو' نہ ناطہ توڑو اور ہو جاؤ اللہ کے بندے اور بھائی بھائی۔

حضرت انسؓ فرماتے ہیں ایک دن ہم حضور ﷺ کی خدمت میں بیٹھے تھے کہ آپؐ نے فرمایا کہ اب اس راہ سے ایک جنتی تمہارے سامنے آئے گا۔ اتنے میں ایک انصاری صحابی بائیں ہاتھ میں جوتیاں لئے ہوئے داڑھی میں سے وضو کا پانی ٹپکتا ہوا نمودار ہوا اور السلام علیکم کہا۔ جب دوسرا دن ہوا تو آپؐ نے پھر وہی کلمات فرمائے۔ اس روز بھی وہی صحابی نمودار ہوئے۔ اسی طرح تیسرے روز بھی ماجرا پیش آیا۔ جب حضور ﷺ تشریف لے گئے تو حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ ان صحابی کے پیچھے گئے اور بہانہ کر کے ان کے مکان میں تین راتیں گزاریں تا کہ ان کے اعمال دیکھیں۔ معلوم ہوا کہ رات کو ہر کروٹ پر وہ صحابی ذکر الٰہی کر لیتے ہیں اور جب بھی کوئی کلمہ کہا بہتر ہی کہا۔ جب تین دن گزر گئے تو حضرت عبداللہؓ فرماتے ہیں کہ ''مجھے ان کے عمل کچھ زیادہ دکھائی نہ دیئے تب انہوں نے اپنے بہانہ کر کے ساتھ رہنے کی وجہ بتائی کہ تمہاری شان میں حضور ﷺ کی زبان مبارک سے جنتی ہونے کے الفاظ سنے اور فیصلہ کیا کہ دیکھوں وہ کیا عمل ہے جس کی بنا پر تم جنتی ہوئے۔ عمل تو تمہارا زیادہ نہیں پھر اس رتبے کی کیا وجہ ہے۔ فرمایا کہ یہی عمل ہے جو تم نے دیکھا۔ جب میں ان کے پاس سے چلا تو انہوں نے واپس بلا کر فرمایا کہ بھائی عمل تو یہی ہے جو تم نے دیکھا مگر اتنی بات ہے کہ جو چیز اللہ تعالیٰ کسی مسلمان کو عطا کرتا ہے اس پر میرے دل میں کچھ کدورت اور حسد نہیں آتا۔ میں نے کہا کہ بس یہی وہ بات ہے جس سے تم کو یہ رتبہ ملا۔ یہ بات ہم سے نہ ہو سکی۔''

ایک اور حدیث میں حضور ﷺ نے فرمایا تین باتیں ایسی ہیں جن سے کوئی خالی نہیں۔ ایک ظن' دوسری بدفالی (برے فال نکالنا) اور تیسری حسد۔ مگر میں تم کو ان سے نجات کی صورت بتائے دیتا ہوں کہ جب کوئی ظن دل سے گزرے تو اس کو ٹھیک نہ جاننا چاہئے اور جب شگون بد ہو تو اپنا کام کئے جاؤ اور جب حسد آئے تو خواہش نہ کرو۔ (دوسرے سے نعمت کے چھن جانے کی)

حضرت زکریا علیہ السلام فرماتے ہیں کہ اللہ جل شانہ ارشاد فرماتے ہیں کہ ''حاسد میری نعمت کا دشمن ہے کہ میری نعمت پر غصہ ہوتا ہے اور جو کچھ میں نے لوگوں کے حق میں مقرر کر دیا ہے اس پر راضی نہیں ہوتا۔''

ایک اور حدیث میں آپؐ نے فرمایا کہ مجھے زیادہ تر خوف اپنی امت میں اس بات کا ہے کہ ان کے پاس مال کی کثرت ہو اور آپس میں حسد کر کے کشت و خون کریں۔

حسد وہ چیز ہے کہ جس کی وجہ سے ابلیس نے حضرت آدم علیہ السلام کے رتبے کا انکار کیا اور سجدے سے انکار کر کے اللہ کی نافرمانی کا مرتکب ہوا۔

حسد وہ شے ہے کہ جس کی وجہ سے زمین پر پہلا قتل ہوا۔ جب قابیل نے اپنے ہاتھوں اپنے بھائی کا قتل کیا۔

حضرت ابن سیرینؒ کا قول ہے ''میں نے دنیاوی چیز کے لئے کسی سے حسد نہیں کیا۔ اس لئے کہ اگر وہ شخص اہل جنت میں سے ہے تو دنیا پر اس سے کیا حسد کروں کہ جنت کے مقابلے میں دنیا کی کیا قدر ہے اور اگر وہ دوزخی ہے تو دنیا پر اس سے حسد فضول ہے۔ اس لئے کہ اسکا انجام دوزخ ہوگا۔

حسد باطنی بیماریوں میں سے ایک ہے اور ہر باطنی بیماری کا علاج علم و عمل ہے۔ حسد سے بچنے کے لئے جس علم کی ضرورت ہے وہ یہ ہے کہ:

1۔آدمی اس بات کو جان لے کہ حسد دنیا و آخرت میں اس کے لئے نقصان دہ ہے اور جس سے وہ حسد کر رہا ہے اس کو دین و دنیا میں کوئی نقصان نہیں بلکہ فائدہ ہی ہے۔

2۔حاسد جب کسی سے اللہ کی طرف سے دی گئی نعمت پر حسد کریں گے تو گویا وہ اللہ کی تقدیر پر راضی نہیں اور اس سے بڑھ کر گناہ اور کیا ہوگا۔

3۔دنیا میں حاسد کا نقصان یہ ہے کہ ہمیشہ رنج و غم میں مبتلا رہتا ہے۔ یعنی جس چیز میں دوسرے کو دیکھنا چاہتا تھا خود اس میں مبتلا ہے۔

4۔حاسد کو یہ بات سمجھنا چاہئے کہ حسد کرنے سے اگر نعمت جاتی رہتی تو دنیا میں کسی کے پاس بھی کوئی نعمت نہ ہوتی۔ حتیٰ کہ نعمت ایمان بھی نہ ہوتی کیونکہ کافر تو مسلمان سے ایمان کی وجہ سے حسد کرتا ہے۔

حاسد یہ سوچے کہ جب میرے حسد کرنے سے اوروں کی نعمت جاتی رہے گی تو کیا دوسروں کے حسد کرنے سے میری نعمت نہ جائے گی۔

عملی علاج:

حسد سے جو تمنا ابھری ہے اس کا عملی توڑ اس کے برعکس کیا جائے۔ اگر حسد کی وجہ سے اس شخص کی برائی کرنے کا دل چاہے تو زبردستی اس کی تعریف کرے۔ اگر کبر کرنے کا دل چاہے تو اس سے انکساری سے پیش آئے۔ یہ بڑے مجاہدے کا کام ہے۔ شیطان آسانی سے اس مرض پر قابو نہیں آئے گا۔ گو کہ علاج تلخ ہے مگر پھر جو شخص دوا کی تلخی پر صبر نہیں کرے گا وہ شفا کی شیرینی بھی نہیں چکھے گا۔ اس سے دل محبت پر مائل ہوتا ہے' حسد اور بغض کے دکھ سے راحت پاتا ہے اور دل میں تسکین و راحت ہوتی ہے۔

حضرت حسنؓ فرماتے ہیں کہ آدمی دوسرے پر حسد کیوں کرتا ہے جبکہ اس کو اللہ تعالیٰ نے لائق سمجھ کر نعمت دی ہے تو جس کو اللہ تعالیٰ بزرگی دے اس پر حسد کیسا اور اگر کچھ اور معاملہ ہے تو ایسے شخص پر کیا حسد کرنا جس کو نعمت دوزخ کی طرف لے جاتی ہو۔

حضرت ابوالدرداءؓ فرماتے ہیں کہ جو آدمی کثرت سے موت کو یاد کرے گا اس کی ہنسی اور حسد دونوں کم ہو جائیں گے۔

حکماء کا قول ہے کہ حسد ایک زخم ہے جو کبھی نہیں بھرتا ہے اور جو کچھ حاسد پر گزرتا ہے اس کو وہی کافی ہے۔

حسد ہر حال میں حرام ہے۔ سوائے اس نعمت پر جو کسی کافر یا فاجر کے ہاتھ لگی ہو جس سے وہ فتنہ و فساد کرتا ہو' اس کے زوال کا خواہش مند ہونا گناہ نہیں۔

حضور ﷺ نے ایک لشکر روانہ فرمایا۔ ایک شخص پیچھے رہ گیا اور حضور ﷺ کے ساتھ نماز ادا کر کے رخصت ہونے اور دعا لینے کیلئے آیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''تمہیں علم ہے کہ تمہارے ساتھی تم سے کتنا آگے نکل گئے؟'' عرض کیا: ''ہاں آج صبح ہی تو وہ گئے ہیں''۔ فرمایا: ''قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے! جتنا فرق مشرقین اور مغربین میں ہے اس سے بھی زیادہ فرق کے ساتھ فضیلت میں وہ تم سے آگے نکل گئے ہیں''۔

ویٹکن کا اسلام کے خلاف جنگ کے عہد کا اعادہ

اسلام اور مسلمانوں کے خلاف جنگ ہنود و یہود اور اُن کی سرپرست بعض عیسائی طاقتیں کھل کر لڑ رہی ہیں۔ یہ جنگ تلوار سے بھی لڑی جارہی ہے اور قلم سے بھی۔ اس جنگ میں کیتھولک عیسائیت کا عالمی مرکز''ویٹکن سٹیٹ'' فکری محاذ پر کیونکر شریک ہے' اس موضوع پر''ندائے خلافت'' کے مستقل کالم نگار جناب عابد اللہ جان کا ایک مضمون انگریزی میں''ندائے خلافت'' کے شمارے بابت 16 جون 2004ء میں شائع ہوا تھا۔ یہ تحریر اُسی مضمون کا اردو ترجمہ ہے۔ (مدیر)

یہ نومبر 2003ء کی بات ہے کہ ویٹکن Vatican نے پہلی مرتبہ اسلام کے خلاف فکری جنگ میں شرکت کا باقاعدہ اعتراف کیا۔ ٹھیک ایک سال بعد لندن ٹیلی گراف کے جولین کومن اور بروس جانسن روم سے اکتوبر 10 کو لکھتے ہیں کہ ویٹکن نے بش اور بلیئر کے ساتھ عراق کے معاملے میں اپنے اختلافات ختم کر دیئے ہیں۔

جوزف ڈی ہوپلیٹو نے اسے اسلام کے خلاف ایک اور فتح قرار دیتے ہوئے''فرنٹ پیج میگزین'' کے 9 نومبر کے شمارے میں اپنی خوشی کا اعتراف کچھ ان الفاظ میں کیا:''کیتھولک چرچ نے ڈرامائی انداز میں اسلام کی جانب پینترا بدلا ہے۔ ٹیلی گراف کے مطابق جمہوریت کی خاطر ویٹکن اب عراق میں NATO کی زیرنگرانی مختلف افواج کی موجودگی کی حمایت کرتی ہے۔''

یہ خبر اس لحاظ سے ڈرامائی ہے کہ ویٹکن نے پہلی مرتبہ امریکہ کی خونریزیوں اور بربریت کی باقاعدہ طور سے حمایت کا اعلان کیا ہے۔ مگر جہاں تک اسلام کے خلاف جنگ کا تعلق ہے ویٹکن نے اس کا اعتراف اور کھلم کھلا اعلان آج سے ایک سال پہلے کر دیا تھا۔

ویٹکن کے ایک نیم سرکاری رسالے لاسولٹا کیتھولیکا میں چھپنے والے ایک آرٹیکل نے پچھلے سال مسلم ممالک میں عیسائیوں کی حالت کی آڑ میں اسلام کے بنیادی نظریات کو نشانہ بنایا جس میں جہاد کا نظریہ سرفہرست تھا۔

اس مضمون میں صاف طور پر واضح کیا گیا تھا کہ ''پورے ہزار برس تک یورپ کو اسلام سے خطرہ لاحق رہا جن میں دو مرتبہ تو اس کی بقا تک خطرے میں پڑ گئی۔'' اس مضمون نے اسلام میں جہاد کے موضوع کو سمیٹ کر صرف ایک حکم تک محدود کر دیا ہے جس کے مطابق جہاد صرف تمام کفار کے خلاف جنگ اور ان کی جائیدادیں قبضے میں لینے کا نام ہے۔ اس سال ویٹکن کا اسلام کے خلاف جنگ جاری رکھنے کے عہد کا اعادہ اطالوی پادریوں کے اخبار ایوینایر Avvenire کے ایک اداریے میں سامنے آیا۔ یہ اداریہ وٹوریو پارسی جو کہ میلان کی کیتھولک یونیورسٹی کے پروفیسر ہیں اور ایوینایر کے خارجہ پالیسی کے ماہر ہیں' نے لکھا ہے:

''جوزف ڈی ہوپلیٹو کے مطابق ایوینایر نے ویٹکن کی پالیسی کھلے طور سے بیان کر دی ہے۔ اس اخبار کے مطابق دہشت گرد چاہتے ہیں کہ عراق میں ان کی حکومت آئے۔ وہ عراق عراقیوں کے لئے نہیں بلکہ قاتلوں کے لئے چاہتے ہیں تاکہ تمام عراق بنیاد پرستوں کا ٹھکانہ بن جائے۔ مغرب اور بین الاقوامی برادری کی یہ ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ اس خواب کو شرمندہ تعبیر نہ ہونے دیں۔''

اس سے پہلے لاسولٹا کتھولیکا نے اپنے اکتوبر 2004ء کے ایک مضمون میں اسلام اور دہشت گردی کو لازم و ملزوم قرار دیا تھا جو کہ اسلام کے خلاف برسرپیکار طبقوں کا اولین ہتھیار ہے۔ مضمون نگار لکھتا ہے کہ ''نیویارک میں 9/11 اور بیسلن Beslan کے واقعات میں کافی نظریاتی مماثلت ہے۔ اس کا اسلام کی جڑوں سے براہ راست تعلق ہے۔ جس نے پچھلے تین سال میں خون کی ندیاں بہا دی ہیں۔'' اسلام کی بنیاد کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مضمون نگار لکھتا ہے''درحقیقت اسلام نے آغاز سے لے کر اسامہ کے کام تک دہشت گردی کے بارے میں اپنے وہ مقاصد بالکل نہیں بدلے۔''

کئی ڈینیل پائپس اور فرائیڈمین اسلام کے بنیادی نظریات کو بدنام کرنے کے چکر میں لگے ہوئے ہیں۔ دو دسمبر کے واشنگٹن ٹائمز میں سام ھیرس لکھتے ہیں کہ ہمیں دہشت گردی کے بہانوں سے آگے جانے کی ضرورت ہے ہمیں صاف صاف کہنا چاہئے کہ یہ اسلام کے خلاف جنگ ہے۔ لیکن جوزف ڈی پولیٹو کے مطابق ویٹکن پر یہ حملہ نہ صرف اس لحاظ سے اہم ہے کہ یہ ویٹکن کا حملہ ہے بلکہ اس کے لئے بھی کہ یہ الفاظ ویٹکن کے Secretry of State کے الفاظ ہیں۔

مغربی تعلیمی' علمی' سیاسی اور عسکری حلقے اسلام کے خلاف جنگ کے لئے تحریک ویٹکن کے اسی طرح کے حملوں سے لیتے ہیں۔ فیلیڈلفیا کے چرچ آف گاڈ کے رسالے ٹرمپٹ کے دسمبر 2004ء کے شمارے کے مطابق کیتھولک کو عراق میں خونریزی کی حمایت نہیں کرنی چاہئے تھی۔ مگر باتوں باتوں میں یہ رسالہ بھی انہی باتوں کا اعتراف کرتا ہے جس کو بنیاد بنا کر اسلام کے خلاف کافروں اور بعض مسلمانوں نے ایک نہ ختم ہونے والی جنگ کا آغاز کیا ہے۔

ٹرمپٹ کا اداریہ لکھتا ہے:''ویٹکن کا ایک نئے دشمن ''اسلامیزم'' کے خلاف جنگ کا اعلان سننے سے کانوں میں خطرے کی گھنٹیاں بجنے لگتی ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ مشرق وسطیٰ کی یہ طاقت ابھر رہی ہے مگر کیتھولک چرچ کا یوں سامنے آنے سے صلیبی جنگوں کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔''

اس رسالے کا پیغام یوں نظر آتا ہے کہ''بولنے کی ضرورت نہیں۔ خاموشی سے اپنا کام کئے جاؤ'' جس پر بش اور بلیئر نے اچھی طرح عمل کر رکھا ہے۔ انہوں نے اپنی اسلام کے خلاف جنگ کو دہشت گردی اور اسلام ازم کے پردے میں لپیٹ کر رکھا ہوا ہے۔

سیاسی حلقوں میں روم مشکل سے ویٹکن کے اثر سے خود کو چھپا سکتا ہے۔ سیاسی میدان میں ویٹکن کچھ اس طرح اثر دکھا رہا ہے کہ کسی بھی مسلم سرزمین پر اسلام کا نفاذ پہلے ہی جرم عظیم گردانا جا چکا ہے۔ پھر بھی کارڈینل انجلو سوڈینو' جو کہ ویٹکن کے سیکرٹری آف سٹیٹ ہیں' اس سلسلے میں اقوام متحدہ کو اس جنگ میں شامل کرنے کا مشورہ دے رہے ہیں۔

La Stampa کو ایک انٹرویو میں انہوں نے امید ظاہر کی ہے کہ اقوام متحدہ اپنے چارٹر میں ایک نیا اصول شامل کرے:''کہ اگر کسی ملک میں انسانی حقوق کی حالت بہت خراب ہو جائے تو وہاں بیرونی مداخلت کی اجازت ہونی چاہئے۔'' مزے کی بات یہ ہے کہ یہی شخص اور اس کا ادارہ عراق میں امریکہ کے ہاتھوں انسانی حقوق کی پامالی کی کھلی حمایت کر رہا ہے۔ ان کے لئے انسانی حقوق صرف اس صورت میں سلب ہوتے ہیں جب اسلامی حکومت کے وجود میں آنے کے آثار ہوں۔ وجود میں آنا تو بلاشبہ قیامت ہی

قیامت ہے۔ اہل عقل وفکر سوچ سکتے ہیں کہ عراق' افغانستان اور فلسطین میں ہونے والے مظالم سے زیادہ مظالم تو انسانیت نے آج تک نہیں دیکھے مگر ویٹیکن وہاں پر ہونے والی بربریت کے شانہ بشانہ کھڑی ہوگئی ہے۔

یہی پالیسی لے کر آرچ بشپ سلوانوٹوموسی جو کہ اقوام متحدہ میں ویٹیکن کے مستقل نمائندے ہیں' اقوام متحدہ کی ایک کمیٹی کے سامنے اکتوبر میں یوں گویا ہوتے ہیں: ''بین الاقوامی انسانی حقوق کے تحت ہر حکومت کی ذمہ داری ہے کہ اس کی حدود میں رہنے والوں کو مکمل تحفظ مہیا ہو۔ اگر ایسا نہ ہو تو بین الاقوامی برادری کو اختیار حاصل ہے کہ وہ یہ ذمہ داری اپنے ہاتھ میں لے لے۔'' سوال یہ ہے کہ عراق' افغانستان اور فلسطین میں ہونے والے مظالم اور حقوق کی پامالی اس بین الاقوامی برادری کو کیوں نظر نہیں آرہے؟

یہ دیکھنے کے لئے فوجی اور پادری کس طرح ایک ہی راگ الاپ رہے ہیں اور ایک ہی ذہنیت کے تحت اسلام کے درپے ہیں ہمیں جنرل Boykin اور بشپ Monsignor Cesare Mazzolari کے خیالات کا تقابلی جائزہ لینا ہوگا۔ جنرل Boykin نے کہا تھا یہ شیطان اور عیسائی فوج کے درمیان جنگ ہے اور یہ کہ مسلمان ایک بت کی پوجا کرتے ہیں۔ اسی طرح جب میلان کے اخبار Il Giomale (May 2004) نے سوڈان کے بشپ Mazzolari سے پوچھا کہ کیا مسلمان اور عیسائی ایک خدا کی پوجا کرتے ہیں تو اس نے کہا: ''بالکل نہیں۔ اگر ایسا ہے تو تثلیث کہاں جائے گی اور عیسیٰ ویسے بھی مسلمانوں کے عظیم پیغمبر نہیں۔'' Pat Robertson, Jerry Falwell, and Franklin Graham اسی طرح کے خیالات رکھنے والے دوسرے عیسائی لیڈر ہیں۔

اس وقت جبکہ بہت سے مسلمان یہ ماننے کو تیار نہیں کہ اسلام کے خلاف جنگ زوروں پر ہے۔ Mazzolari کہتے ہیں اسلام کے خلاف جدوجہد کی ''یہ ابھی ابتدا ہے'' پھر بھی 103 بلین مسلمانوں کا خوف محسوس کرتے ہوئے Mazzolari ایک مرتبہ پھر اسلام ازم کے پیچھے پناہ لیتے ہوئے کہتے ہیں: ''چرچ نے کمیونزم کو شکست دی اور حال ہی میں اپنے نئے حریف کو پہچانا ہے جو کہ اسلام ازم ہے اور جو کہ کمیونزم سے کہیں بدتر ہے۔ اپنے بڑھاپے کی وجہ سے پوپ اس مسئلے کا ذکر نہیں کرتے مگر آنے والے پوپ کو اس کا سامنا کرنا ہوگا۔''

جوزف ڈی ہپولیٹو Mazaolari کے مطابق اپنے خیالات میں اکیلے نہیں۔ نہ سب یہ صرف خیالات کا اظہار ہے۔ پردے کے پیچھے جو منصوبہ بندی ہوتی ہے ہمیں اس کا عشر عشیر بھی پتہ نہیں چلتا۔ یہ جو چند باتیں نکلتی ہیں یہ بھی پورے سوچ بچار اور اپنی منصوبہ بندی کے مطابق دنیا کے سامنے خاص مقصد کے لئے لائی جاتی ہیں۔ یہ خالی خولی باتیں اور بیانات نہیں جو ہم مسلمانوں کا شیوا ہے۔ اگر ہم غور کریں تو ان میں ہمیں ہمارے تمام کرتوت اور کمزوریاں صاف نظر آتی ہیں۔

دنیا کے دوسرے نمبر پر اختیار مند کارڈینل کے مطابق ''مستقبل کا سب سے بڑا مسئلہ اسلامی دنیا کے ساتھ تعلقات ہیں اور یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جس نے صرف چرچ کو پریشان کر کے نہیں رکھا۔''

سب سے زیادہ افسوس کی بات یہ ہے کہ مغرب ہر اس چیز کے درپے ہے جو مسلم یا اسلامی ہو۔ مگر بدقسمتی سے ایسی کوئی چیز باقی ہی نہیں۔ نہ اجتماعی طور پر کوئی ملک' ادارہ' معاشرہ یا نظام اور نہ انفرادی طور سے مسلمان۔

ایک قوم جو کہ عبادات کی رسومات میں کھو چکی ہے ایک ایسے Holocaust کی منتظر ہے جس کی نظیر تاریخ میں ڈھونڈنا ناممکن ہے۔

مسلم لبرازم اور موڈریٹ ازم اس لحاظ سے ایک مذاق بنتے جارہے ہیں کہ کل اگر وہ اپنی پوری قوت سے چلا کر بھی کہیں کہ ہم نے اسلام ترک کر دیا ہے تو بھی ان کے موجودہ مالک کہیں گے نہیں بھائی ان بہانوں سے تم اپنے آپ کو موت سے نہیں بچا سکتے کیونکہ تمہارے جینز میں ناقابل قبول اسلامی کروموسوم ہیں۔ تم سے ہم نے جو کام لینا تھا لے چکے۔ جب تم اپنوں کے نہ ہوئے تو ہمارا کیا ساتھ دو گے۔

اس طرح کی اذیت ناک موت وہ برائے نام مسلمان مرنے کے لئے رہیں گے جو صلیبی قوتوں کی یہ تمام تیاری دیکھ کر بھی کہتے ہیں کہ یہ اسلام کے لئے نہیں محض دہشت گردی کے خلاف جنگ ہے۔

❁ ❁

دعوت فکر

نیو ایئر نائٹ

کرم داد خان بلوچ

نیا سال شروع ہو چکا ہے اور اس نئے سال کا پیغام پہلے سے بھی بھیانک معلوم ہو رہا ہے۔ اس کے آنے سے کوئی مثبت تبدیلی رونما ہونے کی توقع نہیں ہے بلکہ پہلے کی نسبت زیادہ خطرناک پیغامات سننے اور دیکھنے میں آرہے ہیں۔ غربت' بے روزگاری' بیماری' تنہائی اور بے بسی کا سال کہنا مناسب ہوگا۔ جس ملک کی عدالتوں میں ہزاروں نہیں لاکھوں مقدمے زیر التوا ہیں اور تھانوں میں انصاف کی جگہ توہین ملتی ہے' جس کے ہسپتالوں میں علاج نہیں موت بانٹی جاتی ہے اور جس کے تعلیمی اداروں میں علم کی جگہ جہالت کے ٹیکے لگائے جاتے ہیں' ان لوگوں' ان بیمار' نادار' غریب ومظلوم اور ان پڑھ لوگوں کا نیا سال کب آئے گا۔ یہ نئے سال کی خوشیوں میں کیسے شریک ہوں' کیونکہ ان کے پاس تو دو وقت کی روٹی بھی نہیں ہوتی۔ وہ تو ہر دن کو نیا سال ہی سمجھتے ہیں۔ ایک فقیر نے عید کے موقع پر کہا کہ ''عیدیں وہ لوگ مناتے ہیں جن کی زندگیوں میں عیدیں آتی ہیں' ہم لوگ ٹھہرے بھکاری' عید ہو یا شب برأت ہمارے لئے تو سارے دن ساری راتیں برابر ہیں۔'' ہماری 14 کروڑ 80 لاکھ آبادی کا ایک بڑا حصہ بھکاری ہی ہے جس کے سارے سال' سارے دن' ساری راتیں' سارے ہی نیو ایئر ایک جیسے ہیں۔ انہیں پتا ہی نہیں چلتا کب پرانا سال ختم ہوا اور نیا سال کب چڑھ گیا ہے۔ جبکہ غریب لوگوں کے تو چولہے بھی اس غربت نے ٹھنڈے کر رکھے ہیں' ہر روز اخبارات کی زینت بننے والے واقعات میں یہی ہوتا ہے کہ غربت سے تنگ آ کر فلاں شخص نے خودکشی کر لی۔ اب بھی وہی غربت' وہی بیماری' وہی بے چارگی اور وہی مشقت ہے۔ ہر نیا سورج ہمیں نئے مشقت بھرے دن کی خبر دیتا ہے اور ہر رات کل کے وسوسے' کل کے اندیشے لے کر آتی ہے۔

غریب بذات خود اور اس کی زندگی کیا ہے؟ غریب ایک کھلونے کی مانند ہے جو کسی کے دل کے بہلاوے کے لئے بنا ہوتا ہے۔ غریب کی زندگی تو اجیرن بن کر رہ گئی ہے کیونکہ جو بھی سہولیات اور مراعات ملتی ہیں ہمیشہ بڑے بڑے لوگوں کو ملتی ہیں۔ غریب کے بارے میں تو کبھی کسی نے سوچا ہی نہیں کہ ان غریبوں کی بھی کوئی ضروریات زندگی ہو سکتی ہیں تاکہ خوشحال زندگی بسر کر سکیں۔ جو روپیہ نئے سال کی آمد پر پانی کی طرح بہایا جاتا ہے اگر غریبوں کی ضروریات کو پورا کرنے میں صرف کیا جائے تو کوئی غریب غریب نہیں رہے گا۔ لیکن حکومت نے اس طرف کبھی توجہ ہی نہیں دی۔ اسلام میں شراب کو حرام سمجھا جاتا ہے لیکن اس سال بھی کروڑوں روپے کی شراب بکی ہے۔ ہمارے حکمرانوں کو اس بات کا علم ہونے کے باوجود بھی ان لوگوں پر پابندی عائد کرنے میں ناکام رہی ہے۔ کیا ہوٹلوں کے مالکوں کو اس بارے میں پابند نہیں کیا جا سکتا تھا' ان کو کھلی چھٹی کس نے دے رکھی تھی؟ ان کے خلاف قانونی کارروائی کی جاتی تو آئندہ سال ایسا نہ ہوتا۔ روکنے والوں ہی کی بگڑی ہوئی اولاد وہاں پر جاتی ہے تو پھر کون روکے۔ میں نے سوچا کہ ملک میں نیو ایئر نائٹ منانے والوں کی تعداد تو ایک لاکھ' دو لاکھ' پانچ لاکھ یا زیادہ سے زیادہ دس لاکھ ہوگی۔ اور باقی 14 کروڑ 70 لاکھ لوگ کون ہیں؟ جس ملک میں اس وقت بھی ہزاروں مرد اور خواتین وڈیروں کی نجی جیلوں میں بند ہیں اور ہزاروں لوگ کام کی تلاش میں دربدر پھر رہے ہیں ان لوگوں کا نئے سال کے ساتھ کیا تعلق ہو سکتا ہے؟ یہ خوشیاں منانے والوں کے ساتھ کیسے شریک ہو سکتے ہیں؟

حقیقت میں سال کے آغاز میں کئے گئے پروگرام سال کے ایجنڈا کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اگر اس سال کی بنیاد ہی غلط پڑ جائے تو اس کے اثرات پورے سال پر مرتب ہوں گے' ہمیں چاہئے کہ ہم اپنی خوشیوں میں سب کو شریک کریں' کسی کو دکھ پہنچا کر خوشی منانا مہذب لوگوں کا شیوہ نہیں ہے۔ پھر ہم نے ایسا کون سا معرکہ سرانجام دیا ہے جس پر ہم شاداں ہوں۔ ع

جسم کے سولباس میں تو روح پڑی ہے بے قرار

تنظیم اسلامی کورنگی کی عید ملن

27 نومبر کے اس عید ملن پروگرام میں رمضان المبارک کے دوران کورنگی مرکز میں دورۂ ترجمہ قرآن کے شرکاء واحباب اور تنظیمی رفقاء کورنگی شریک ہوئے۔ اس تقریب میں ماہِ رمضان کے پروگرام کے شرکاء نے اپنے تاثرات پیش کیے۔ تمام احباب نے پروگرام کی تعریف کی اور کہا کہ اب ہمیں علم ہوا کہ بحیثیت مسلمان ہم پر کون سی ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں' مختلف معاملات میں ہماری سوچ اور رویہ کیا ہونا چاہئے' دین ہم سے کیا تقاضے کرتا ہے' اللہ کو کیسے لوگ پسند ہیں' اور یہ کہ دین پر خلوص سے عمل کرنے سے ہماری دنیاوی زندگی بھی کتنی آسان ہو جاتی ہے۔ کئی شرکاء نے آئندہ منعقد ہونے والی ایسی نشستوں کے لئے اپنے بھرپور تعاون کی پیش کش کی۔

اس کے بعد انجینئر نوید احمد صاحب (ڈائریکٹر قرآن اکیڈمی) نے اپنے مختصر خطاب میں تنظیم اسلامی کا مختصر تعارف پیش کیا اور اس کے مقصد اور طریق کار کو بیان کرتے ہوئے احباب کو تنظیم اسلامی میں شرکت کی دعوت دی۔

آخر میں شرکاء کی تواضع کی گئی اور یوں یہ باوقار تقریب اختتام کو پہنچی۔

(رپورٹ: محمد یوسف صدیقی)

امیر تنظیم اسلامی و ناظم اعلیٰ کا دورہ جنوبی پنجاب

امیر تنظیم اسلامی حافظ عاکف سعید صاحب اور ناظم اعلیٰ اظہر بختیار خلجی صاحب مورخہ 20 دسمبر 2004ء بروز سوموار حلقہ جنوبی پنجاب کے دورہ پر تشریف لائے۔ ان کا یہ دورہ تین دن پر مشتمل تھا۔ دورہ کے مقاصد میں مرکز تنظیم اسلامی وہاڑی میں خطاب عام اور مرکز وہاڑی کی تعمیر کا افتتاح نیز رفقاء حلقہ سے تفصیلی ملاقات اور ڈاکٹر طاہر خاکوانی صاحب کی بیٹی کا خطبہ نکاح شامل تھے۔ ان کے تین دنوں کے دورے کی تفصیلی رپورٹ پیش خدمت ہے۔

20 دسمبر 2004ء' وہاڑی آمد: امیر تنظیم اسلامی کے وہاڑی میں خطاب عام کے لئے 500 دعوتی کارڈ اور 5 عدد بینرز تیار کرائے گئے۔ دورہ سے قبل امیر حلقہ سعید اظہر صاحب اور معتمد حلقہ شوکت حسین بروز جمعہ مورخہ 17 دسمبر وہاڑی کے دورہ پر گئے۔ وہاں انتظامی امور پر رفقاء سے گفتگو ہوئی اور مرکز کی جگہ کا معائنہ کیا۔

مورخہ 20 دسمبر 2004ء امیر حلقہ اور انجینئر عطاء اللہ خان صاحب وہاڑی تشریف لے گئے اور جلسہ گاہ کی تیاری کے انتظامات کا جائزہ لیا۔ امیر تنظیم اسلامی عاکف سعید صاحب اور ناظم اعلیٰ اظہر بختیار خلجی صاحب 12:30 بجے وہاڑی پہنچے۔

وہاڑی پہنچتے ہی مرکز وہاڑی کی تعمیر کے لئے مختص جگہ کا معائنہ فرمایا۔ اس دوران عطاء اللہ خان صاحب امیر حلقہ اور امیر تنظیم وہاڑی راؤ محمد جمیل اور ناظم اعلیٰ صاحب بھی موجود تھے۔ اس کے بعد نماز ظہر ادا فرمائی پھر دوپہر کے کھانے کے بعد مختصر آرام فرمایا۔

امیر تنظیم اسلامی کا قیام رفیق محترم ڈاکٹر مظہر الاسلام (E.N.T) سپیشلسٹ کے گھر تھا۔ جہاں انہوں نے مہمان نوازی کا خوب حق ادا کیا۔ نماز عصر 3:45 پر مرکز تنظیم اسلامی میں ادا فرمائی۔

عصر تا مغرب رفقاء تنظیم اسلامی وہاڑی سے تفصیلی ملاقات اور سوال و جواب کی نشست ہوئی۔ امیر تنظیم کی موجودگی کا خوبصورت احساس رفقاء کے چہروں سے عیاں تھا۔ یہ پروگرام نماز مغرب تک جاری رہا۔ نماز مغرب کے بعد خطاب عام کا پروگرام تھا۔

خطاب عام' 20 دسمبر 2004: امیر تنظیم اسلامی کے خطاب عام کے لئے مرکز تنظیم وہاڑی میں جلسہ گاہ تیار کی گئی۔ اسٹیج اور 150 کرسیوں کا اہتمام کیا گیا۔ رفقاء نے جاں فشانی سے اس پروگرام کو کامیاب کرنے کے لئے دن رات محنت کی۔ الحمد للہ ٹھیک عین وقت پر خطاب شروع ہوا۔ شرکاء کی تعداد 150 سے زیادہ تھی۔ خطاب عام میں امیر محترم نے حالات حاضرہ اور عالمی حالات پر تفصیلی گفتگو کی اور مرکز وہاڑی کی اہمیت پر روشنی ڈالی۔ خطاب کے فوراً بعد امیر تنظیم نے مرکز کی تعمیر کا افتتاح فرمایا۔ مرکز کا نقشہ تیار ہو چکا ہے۔ اللہ کے فضل و کرم سے جلد ہی اس کی تعمیر کا کام بھی شروع کر دیا جائے گا۔

خطاب عام کے بعد نماز عشاء کی ادائیگی ہوئی۔ عشاء کے بعد امیر تنظیم نے رفقاء وہاڑی کے ہمراہ رات کا کھانا کھایا۔

امیر تنظیم کی ملتان روانگی: مورخہ 21 دسمبر 2004ء بروز منگل امیر تنظیم نماز فجر کے فوراً بعد ملتان کے لئے روانہ ہو گئے۔ آپ 6:45 پر روانہ ہوئے اور ٹھیک 8:30 بجے ملتان مرکز حلقہ قرآن اکیڈمی پہنچے۔ 9 بجے صبح ناشتہ کیا گیا۔

ملتان میں تمام رفقاء حلقہ کو قرآن اکیڈمی میں 10 بجے بلایا گیا۔ ٹھیک 10:15 پر پروگرام شروع ہوا۔ اس پروگرام میں حلقہ خواتین رفیقات کو بھی مدعو کیا گیا۔ تنظیم ملتان سے 40 رفقاء نے شرکت کی اور منفرد رفقاء میں سے 10 رفقاء اس پروگرام میں شریک ہوئے۔

خواتین رفیقات اور احباب خواتین کی کل حاضری 65 کے قریب تھی۔ پروگرام کے شروع میں امیر تنظیم نے مختصر سی گفتگو فرمائی۔ اس کے بعد رفقاء سے فرداً فرداً مختصر تعارف شروع ہوا۔ پروگرام کے آخر میں امیر تنظیم نے بیعت کا عہد نامہ تازہ فرمایا اور رفقاء سے بیعت لی۔ نماز ظہر 1:15 پر ادا فرمائی۔ نماز ظہر کے بعد امیر تنظیم نے تمام رفقاء کے ہمراہ دوپہر کا کھانا کھایا۔

اس کے بعد یہ پروگرام ختم ہوا۔ رفقاء اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے۔ آرام کے وقفہ کے بعد امیر تنظیم کی حلقہ کے ذمہ داران سے تفصیلی ملاقات کا پروگرام تھا۔

حلقہ کے ذمہ داران سے ملاقات: امیر تنظیم سے خصوصی ملاقات کا پروگرام نماز عصر کے بعد قرآن اکیڈمی میں ہی ہوا۔ حلقہ کے امراء و نقباء سے خصوصی ملاقات ہوئی۔ امیر تنظیم ملتان ڈاکٹر طاہر خاکوانی اور امیر تنظیم حلقہ جنوبی پنجاب اور امیر تنظیم وہاڑی راؤ محمد جمیل صاحب نے اپنے اپنے مسائل اور تنظیمی مصروفیات سے امیر تنظیم کو آگاہ فرمایا۔ اس کے بعد نقباء ملتان محمد عطاء اللہ صاحب' محمود الٰہی چودھری' جام عابد حسین' پروفیسر اکبر نور اور محمد اشرف صاحبان نے اپنا تعارف اور مسائل سے امیر تنظیم کو آگاہ فرمایا۔ نماز مغرب تک یہ پروگرام جاری رہا۔ نماز مغرب کے بعد امیر تنظیم کی ملاقات اکیڈمی میں ہونے والے پروگراموں خاص طور پر ترجمۃ القرآن کلاس کے شرکاء سے ملاقات کا تھا۔

ترجمۃ القرآن کلاس کے شرکاء سے ملاقات: بعد نماز مغرب تنظیم کے فکر سے شناسا اور تنظیمی فکر کے قریب احباب کو خصوصی دعوت دے کر اکیڈمی بلایا گیا۔ امیر تنظیم نے ان سے گفتگو فرمائی اور موجودہ حالات میں ایک مسلمان کے لئے لائحہ عمل اور اُخروی نجات کی راہ پر خطاب فرمایا۔ اس کے بعد سوال و جواب کی نشست ہوئی۔

یوں یہ پروگرام نماز عشاء تک جاری رہا۔ عشاء کے بعد تمام شرکاء کی چائے اور گاجر کے حلوے سے تواضع کی گئی۔

22 دسمبر 2004ء: بروز بدھ امیر تنظیم نے امیر حلقہ اور معتمد حلقہ سے خصوصی ملاقات رکھی۔ صبح 9 بجے تا 11 بجے دن تک حلقہ کے مسائل اور مشکلات پر گفتگو ہوئی نیز ناظم اعلیٰ صاحب نے مزید اسرہ جات اور تناظیم بنانے پر ترغیب دلائی۔ خاص طور پر منفرد رفقاء کو بلا کر ایک ایک اسرہ بنایا جائے۔ امیر تنظیم نے بھی اس طرف توجہ دلائی۔ نماز ظہر کے بعد کھانا کھا کر کچھ دیر آرام کا وقفہ ہوا۔

تقریب نکاح: 22 دسمبر 2004ء بروز بدھ نماز عصر کے بعد ڈاکٹر محمد طاہر خاکوانی صاحب کی بیٹی کا نکاح تھا۔ امیر تنظیم اسلامی نے خطبہ نکاح پڑھایا اور پون گھنٹہ کا خطاب فرمایا۔ قرآن اکیڈمی کی مسجد اور ہال سامعین سے پُر تھا۔ آپ نے شادی بیاہ کی اصلاحی تحریک کا تعارف بیان کیا اور بعد میں خطبہ نکاح میں پڑھی جانے والی آیات پر مختصر روشنی ڈالی اور تقویٰ کی اہمیت اجاگر کی۔

آپ نے فرمایا کہ نکاح کرنا سنت تو ہم سمجھتے ہیں لیکن آج ضرورت اس بات کی ہے کہ اس تقریب کو سنت کے مطابق ادا بھی کیا جائے اور غیر اسلامی رسومات سے بچا جائے۔ یوں امیر تنظیم اسلامی کا یہ تین روزہ دورہ اپنے اختتام کو پہنچا۔

اللہ سے دعا ہے کہ وہ ہم سب کو اپنے دین حق کا سچا علمبردار اور داعی حق بنائے اور اپنی رضا کے مطابق ہمیں زندگی گزارنے کا سلیقہ و توفیق بخشے۔ ٹھیک 5:10 بجے امیر تنظیم اسلامی اور ناظم اعلیٰ لاہور کے لئے عازم سفر ہوئے۔

(مرتب: شوکت حسین انصاری' معتمد دفتر حلقہ جنوبی پنجاب)

بہاولپور میں ماہانہ اجتماع

یہ پروگرام ہر انگریزی مہینے کے آخری اتوار کو ہوتا ہے۔ امیر حلقہ کے شیڈول میں مجلس عاملہ کا اجلاس در آیا۔ لہٰذا آخری سے پہلے اتوار 9:45 پر شروع ہوا۔ افتتاحی گفتگو حلقہ کے ناظم تربیت ذوالفقار علی صاحب نے کی۔ انفرادی اصلاح کے حوالے سے فکر انگیز نکات کی نشاندہی کی۔ اپنے بعد انہوں نے امیر حلقہ کو دعوتِ خطاب دی۔ محترم منیر احمد صاحب نے منتخب نصاب نمبر 2 درس نمبر 9 سورۃ فتح آیات 29-28 کا اقامتِ دین کی جدوجہد کرنے والوں کے مطلوبہ اوصاف پر ایک موثر خطاب فرمایا۔

انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کا مقصد بعثت لوگوں کو ناانصافی اور ظلم کی چکی سے نکالنا' طاغوت و شیطان کا قبضہ چھڑانا اور اپنے رب کی کامل عبادت کروانا تھا۔ آپ نے جزیرہ نما عرب پر اللہ کی مکمل حکومت قائم کر دی تھی اور اس کو آگے امت کے ذمے لگایا تھا کہ وہ پوری دنیا پر رب کی حکومت قائم کر دیں۔ مگر صورتِ حال اس کے برعکس ہے۔ مسلمانوں کے اندر' مسلمانوں کی اجتماعی زندگی میں' مسلمانوں کے ملکوں میں لَا یَبْقٰی مِنَ الْاِسْلَامِ اِلَّا اِسْمُہٗ کی کیفیت ہے۔ اسلام کا غلبہ پوری دنیا کے اندر ہونا باقی ہے۔

آج ہمارا امتحان یہ ہے کہ کون خوش قسمت ہے جو رسول اللہ ﷺ کا ساتھی' اعوان و انصار اور دین کو قائم کرنے میں مددگار ہے۔ اگر ہم نے ان کی نصرت نہ کی' جہاد فی سبیل اللہ میں حصہ نہ لیا تو جان لو اپنے دین کی مدد کرنے کے لئے پھر اللہ کافی ہے۔ اللہ کو کسی کی حاجت و ضرورت نہیں ہے وہ اکیلا ہی کافی ہے۔ مگر وہ تو اس رستے میں انسانوں کو نوازنا چاہتا ہے۔

دیکھو محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں۔ ان کے ساتھ لوگوں کا اصل رشتہ امی ہونے کا ہے۔ آج بھی جدوجہد کرنے والی جماعت کے امیر کے ساتھ اس کے رشتہ داروں اور دوستوں کا اصل تعلق مامورین کا ہے۔ دین کے خلاف روڑے اٹکانے والوں کے خلاف ایمان والوں کا سخت رویہ ہوتا ہے۔ اجتماعی جدوجہد کرنے والوں کے آپس میں تعلقات انتہائی محبت اور الفت کے رشتوں پر استوار ہوتے ہیں۔ بقول اقبالؒ ؎

ہو حلقۂ یاراں تو بریشم کی طرح نرم
رزمِ حق و باطل ہو تو فولاد ہے مومن

نماز کے ذریعے اپنے رب سے مضبوط تعلق قائم رکھتے ہیں' کبھی بھی اپنی نماز سے غافل نہیں' ان کے چہرے اس کی غمازی کر رہے ہوتے ہیں۔ خدا کا فضل اور اس کی رضاجوئی کے لئے دوڑ دھوپ کرتے ہیں' یہ خطاب ڈیڑھ گھنٹہ پر محیط تھا۔ 15 منٹ چائے کا وقفہ ہوا۔ وقفہ کے بعد نقباء نے اپنی دعوتی سرگرمیوں پر سے پردہ اٹھایا۔ محترم ایوب صاحب نے مروٹ' محترم ارشد صاحب نے بہاولپور اور جناب منشاء وڑائچ نے یزمان میں رفتارِ کار سے ساتھیوں کو آگہی دی۔

اختتامی گفتگو جناب منیر احمد صاحب نے فرمائی اور ساتھیوں کو کہا کہ اپنے وقت کی قدر کریں۔ زندگی کا ایک ایک لمحہ آپ کے پاس امانت ہے۔ پیسے کا صحیح مصرف یقینی بنائیں۔ اپنے پیسے کو جہاد فی سبیل اللہ کی جدوجہد میں لگائیں۔ آرائش زندگی کو کم سے کم کریں' سادگی اپنائیں۔ نماز ظہر کے بعد کھانا پیش کیا گیا۔ تعداد رفقاء و احباب 25 تھی۔ (رپورٹ: مقصود احمد' اسرہ مروٹ)

تنظیم اسلامی لاہور وسطی کے زیر اہتمام تربیتی نشست

مورخہ 19 دسمبر بروز اتوار صبح 10 بجے بمقام 37 حق سٹریٹ' اردو بازار میں یہ نشست منعقد ہوئی۔ افتتاحیہ کلمات کے ساتھ امیر تنظیم لاہور وسطی مجیب الرحمٰن صاحب نے پروگرام کا آغاز کیا۔ بعدازاں عمران حمید صاحب نے سورہ یوسف کی ابتدائی آیات سے رفقاء و احباب کے لئے تذکیر بالقرآن کی ذمہ داری ادا کی۔ اس کے بعد نثار احمد خان صاحب نے انفاق فی سبیل اللہ کے ضمن میں اللہ کے راستے میں مال و دولت لگانے اور کھپانے کے حوالے سے سورہ الحدید اور سورہ البقرہ کے حوالے سے جامع گفتگو کی۔

پروگرام کے تیسرے مدرس مبتدی رفیق عبدالرحمٰن صاحب نے ''اخلاقیات'' کے موضوع پر گفتگو فرمائی۔ ان کے بعد ایک اور مبتدی رفیق خالد مختار صاحب نے قرآن مجید کے حقوق میں سے دوسرے حق ''تلاوت و ترتیل'' کے عنوان سے سیر حاصل گفتگو کی۔ بعدازاں 15 منٹ کے لئے چائے کا وقفہ ہوا۔

پروگرام کے پانچویں مقرر ملتزم رفیق دلشاد عازم صاحب نے دعوت دین کے ضمن میں دعوت بالجوارح پر روح پرور گفتگو کرتے ہوئے فرمایا کہ داعی کے لئے اولین ہدف اس کا اپنا گھر' احباب و رشتہ دار اور اپنی معاش کمانے کی جگہ ہونی چاہئے۔ یہاں وہ اپنے عمل سے اپنی دعوت کو موثر بنا سکتا ہے۔

امیر لاہور وسطی نے بعدازاں تنظیم اسلامی کے مقاصد اور انقلابی جدوجہد کو افہام و تفہیم کے ذریعے واضح کیا۔ جس میں بہت سے نئے رفقاء نے بھرپور حصہ ڈالا۔ اس کے بعد ایک ملتزم رفیق مصدق امین صاحب نے ''ضربِ مومن'' کا ایک تراشہ ''بش کی وصیت'' پڑھ کر سنایا۔

پروگرام کے اختتام پر تنظیم اسلامی کے ایک اساسی رفیق شکیل احمد صاحب نے ''امت مسلمہ کی موجودہ حالت اور اس کا حل'' پر مفصل گفتگو کی۔ نماز ظہر کی ادائیگی اور اس کے بعد ظہرانے کے بعد اس تربیتی اجتماع کا اختتام ہوا۔ اس پروگرام میں 28 رفقاء اور 12 احباب نے شرکت کی۔

(رپورٹ: مجیب الرحمٰن صاحب)

تنظیم اسلامی ایبٹ آباد کا دعوتی پروگرام

تنظیم اسلامی ایبٹ آباد کے زیر اہتمام 25 دسمبر 2004ء کو المیز ان پبلک سکول اپر ملک پورہ میں دعوتی پروگرام ہوا۔ پروگرام کا آغاز بعد نماز عصر ہوا۔

امیر تنظیم اسلامی ایبٹ آباد کے ابتدائی کلمات و مشورے کے بعد راقم نے کتاب تعارف تنظیم اسلامی کے صفحہ 31 تا 34 کا مطالعہ کروایا۔ اس کے بعد نماز مغرب کی تیاری کی گئی بعد مغرب مسجد الہدیٰ اپر ملک پورہ میں ذوالفقار علی صاحب نے منتخب نصاب میں سے سورۃ القیامہ کا درس دیا۔ بعدازاں ہارون قریشی صاحب نے کتاب آداب زندگی میں سے ''اولاد کے حقوق'' کا مطالعہ کروایا۔ بعد میں اس پر مذاکرہ بھی ہوا۔ آخر میں راقم نے کتاب آسان فقہ میں سے ''سجدہ سہو واجب ہونے کی صورتیں'' بیان کیں۔ بعد نماز عشاء مسنون دعا پر پروگرام کا اختتام ہوا۔ اللہ تعالیٰ رفقاء کو اقامتِ دین کی جدوجہد کے لئے مزید اوقات صرف کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

(رپورٹ: اسد قیوم)

عبدالرحمٰن ابوالبیان حماد

نظم

پُر خار راستے ہیں دشوار مرحلے ہیں
یہ حوصلہ ہے اپنا پھر بھی اِدھر چلے ہیں
کس کو بتائیں آخر سمجھائیں کون ان کو
حق کے لئے ہمارے دل میں جو ولولے ہیں
اے گردشِ زمانہ کیا ہم ڈریں گے تجھ سے
بچپن سے حادثوں کے آغوش میں پلے ہیں
کیسے جلائیں شعلے نمرود کے اُنہیں پھر
گلزار دین حق میں پھولے ہیں جو پھلے ہیں
رب کریم ہم پر چشم کرم ہو تیری
پھر بھی ہیں تیرے بندے گو ہم برے بھلے ہیں
یا رب یہ آہ زاری کچھ بے سبب نہیں ہے
تو خوب جانتا ہے ہم کتنے دل جلے ہیں
جس کو نہیں ہے کچھ بھی دنیا میں فکر عقبیٰ
حسرت سے ہاتھ اپنے آخر کو وہ ملے ہیں
پرسانِ حال اُن کا کوئی نہیں جہاں میں
میدانِ زندگی سے گھبرا کے جو ٹلے ہیں
حماد اہل حق کا کیا عزم و حوصلہ ہے
کانٹوں پہ بھی چلے ہیں شعلوں میں بھی چلے ہیں

dissatisfaction with modern life, the Qur'an is a guide for all ages and all the humanity.

Contrary to the Islamophobes' spread misconceptions, there are no old and new styles in Islam. Islam is simply the submission of one's will to the Will of Allah. If one submits his will, he has to follow the commands of Allah as in the Qur'an. It is impossible to submit one's will to Allah, as well as negate His Will and commands, saying this is my style"; "I am a homosexual, but this is my style. Otherwise I am a Muslim."

This attitude of justifying one's departure from the Will of Allah is promoted by the Islamophobes as new style of Islam. That is exactly why they complain that "far from fundamentalist Islam being a Middle Eastern import into the West, it is increasingly the other way around."

The reason is simple. Most Muslim born or raised in the West have seen both sides of the divide. They have a critical mind and they studied the Qur'an and Islam on their own. They know what are their responsibilities as a people who claim to have submitted their will to the Will of Allah. If we see Hizb-ut-Tahrir spread to Central Asia, Pakistan and the Middle East from its London hub, it is because Muslim kids in the former colonial lands are taught that their objective in life is to become doctor or engineer for making the best living possible.

The interesting thing to note is that human beings have created different identities for themselves, based on tribes, mode of worship, approaches to doing social and economic dealings, etc. However, the broader classification done by the creator of human beings is given in the beginning of the Qur'an. Four verses at the beginning of second chapter describe the believers. The next two describe the disbelievers, and thirteen verses that follow describe the hypocrites among Muslims for the simple reason that identifying hypocrites is extremely necessary to avoid their mischief. (See: http://icssa.org/real_classification.htm)

And this is what the world is gradually coming to realise. Human beings created nation states; drew boundaries, created nationalities, even the concept of having national passports is not more than 100 years old.

The reason that Islam is viewed as an exotic, historical throw back, is that inspite of all such divisions, human beings are coming to realise value of the classification given in the Qur'an.

Islam is used as "the other" to avoid discussing the present crisis of identity in the West: specifically in Europe. There is a crisis of the nation state, because of globalisation and European integration. What does it mean now to be Dutch, French or British? They are confronted with the crisis of national, geographical, financial and religious identity. They find that there is no difference irrespective of how many times and in how many blocs we may divide the humanity. It boils down to real Muslims and the rest.

The more people study the Qur'an independently, the more they will realise that by focusing exclusively on material well-being, human beings neglect to analyse human nature in the light of the manuals sent down by the creator with His creation.

The so called modernisation has been with human beings for ages. People in every age think they have touched the zenith of modernisation, civilisation and innovations. However, that has always been alienating and disorienting due to lack of central purpose and objective for human existence.

Human beings today are passing through the same crisis. They don't have a proper standard for success. Is it making millions upon million like Bill Gates or reaching the level of Bush can be considered a success? No one asks beyond the level of ones understanding success. No one asks: If I reach the level of success, I have in mind, then what?

That is why it is natural for human beings to want to hang on to Islam. Even Muslim societies suffered under the influence of alien ideologies, such as Marxism or nationalism, and now they are reeling to somehow embrace the moribund capitalistic, secular democracy, but there is no ultimate standard before them.

The revived breeds of Islam, that is inevitable to appear as a result of the struggle put in by a handful of Islamophobes, will be independent of the shadows cast by the changing ideological shapes of the West.

It will be direct product of individual and independent inquiry of curious minds among Muslims and non-Muslims. Like any arrogant age of the past, today, with the old political frameworks gone, the West is unable to furnish the ideologies to go along with the process of westernising the world.

Democracy is the final weapon left, which is either touted as a magic bullet, able to address all problem, or used as a fig leaf to cover the unprecedented crimes committed by the "champions" of freedom. It is fruitlessly used as a gel to hold alliances of the criminals and thugs together in a dislocated world.

Islamophobes at all levels and across different sectors attack Islam in the name of "Islamism" to assuage themselves from the blame of a war on Islam and to avoid asking hard questions about the suffering of humanity.

The Islamophobes' threat of "with us or against us" and a renewed general interest in the message of Islam are already aligning general public and personalities in two distinct groups: those with and those against Islam.

With the increasing restlessness among Islamophobes, this polarisation is set to gain momentum in the coming years before which the artificial boundaries and classifications among human beings would tumble down like grass before the scythe.

By the time this polarisation reaches the moment of clash, all the false pretensions, such as, 'this is a war on terrorism and Islamism; not Islam', and 'we consider some portions of the Qur'an irrelevant but we are still Muslims,will be gone.

The more Muslim and non-Muslim Islamophobes scare people away from Islam, the more it makes every one curious to know the reality behind their noise and anger for themselves.

The possibility of understanding Islam is now directly proportional to the lies, the amount of time and efforts the Islamophobes are putting in demonising it as a way of life.

Today, the future of Islam lies in the hands of Islamophobes who are driving people away from understanding the objective of their existence. That's how the journey towards the Truth begins in every Dark Age of human existence.

ضرورت رشتہ

لاہور میں مقیم ایم اے اسلامیات' 29 سالہ' باپردہ دینی مزاج کی حامل ملازم لڑکی کے لئے دینی مزاج کا حامل رشتہ درکار ہے۔ رابطہ: رانا اظہر

فون 0333-4213638, 7917797

لاہور کی رہائشی' شیخ برادری' اردو سپیکنگ کی 21 سالہ' میٹرک' عالمہ کورس آخری سال' قد 2-5 انچ' بیٹی کے لئے موزوں دینی مزاج کا حامل رشتہ مطلوب ہے۔

رابطہ: فون 5853869

excellence, collective excellence remains a dream and without striving for the collective system with excellence, personal excellence is meaningless.

It is easy to say, individualised forms of Islam are linked to fundamentalist violence rather than understanding that it is the direct result of denying Muslims the opportunities to live by Islam. The denial of opportunities to Muslim self-rule is one of the root causes of the troubles around the world, which of course didn't start with the arrival of Bush in the White House.

Dutch public opinion is blaming foreign culture for the murder of Theo van Gogh, but background of the person who did that suggest, he is fluent in Dutch, he is a Dutch citizen, and who even have two converts from an American father and a Dutch mother who played a big role in the plot. However, it is wrong to conclude that such violence is linked to "the deterritorialisation and globalisation of Islam."

This is exactly the opposite of the right conclusion. The Qur'an was not revealed for a specific territory, a specific people, or a specific age. Nor was it sent for individual practice without any reference to the collective excellence of the society; without making any efforts to live by its prescribed ways.

Lost people, who do not know where to go and what to strive for, have no option but to act in isolation, in ways that appear contradictory to the message of Islam because they have no ultimate purpose, or visible way to move towards the ultimate purpose, before them.

For Muslims, the simple solution is: Be good Muslims, the way you have to be. Establish a true Islamic system as a model for the intire humanity and silence a million Theo van Goghs not through knife but through the reality of Muslims and Islam.

Once they see the reality of Islam, Van Gogh like people will be the first to prefer to live by Islam rather than cursing it. At the moment, when a majority of Muslims themselves are lost, the left over van Goghs cannot be blamed for being lost about Islam. The onus of understanding Islam thus falls on the shoulders of both the so-called Muslims and non-Muslims.

Fortunately, Islamophobes are coming up with new tools for demonizing Islam. Many of the myths they propagate would die away as they force people into understanding and acting upon the Qur'an. For example:

1. "Islamic Nihilism": A thorough reading of the Qur'an would let people understand that it is absolutely not possible that a group of Muslims, dedicating themselves to die for Islam would visit pubs and bars and consume lots of liquor the night before their "jihadi" mission? How can true Muslim author documents with a bizarre set of prescriptions for themselves – such as "wear tight socks."

Such nihilism has no place in Islam and it is totally beyond comprehension that a group dedicated to die for Islam would engage in such activities. The lack of understanding of Islam makes many think that this is in a way "demonstration of the strength of their faith." That's why understanding Islam is not only gradually shattering the myths about Islam, but also exposing the real culprits behind the crimes against humanity.

2. "Invention of Ummah": They would understand that the concept of Ummah (community) is not "entirely an invention" of the "neofundamentalists," but it is a part and parcel of Islam. (See: http://www.icssa.org/Ummah.htm)

The majority of Islamic injunctions apply to the Islamic Ummah [3] rather than the individual. The importance of society and laws governing social interaction in Islam therefore becomes obvious. The governance of such a society requires Islam to provide guidelines for the establishment of a just government and the running of the State machinery. To deny Muslims this opportunity, the concept of Ummah becomes the main target of Islamophobes.

Oliver Roy is one of these Islamophobes who are desperately trying to make people believe: "Neofundamentalism provides an alternative group identity that does not impinge upon the individual life of the believer, precisely because such a community is imagined and has no real social basis."

3. "Consumerism in Islam": Those who are not aware of the core message of Islam easily fall victim to myths that link the rise of Islam to a consumerist lifestyle choice.

Non-Muslims would do themselves a favour if they stop listening to the contemporary Muslims and taking to them as models of Islam. They are not. For example, an unknown American Muslim quoted in Globalised Islam says that 'Muslim preachers are salespeople, smiling and sweet-talking salespersons. If salespersons fight and argue with the customer, do you think people will buy the product'[?]. It is simply a ploy to say in other words, don't believe in any Muslim preacher, even if one is not the alleged "firebrand Mullah, preaching Jihad against the West."

A direct reading and understanding of the Qur'anic text and saying of Prophet Mohammed (PBUH) would awaken any interested person to the reality that Islamophobes are mixing-up different issues to show that Islam gives a confused message.

For example Oliver Roy would present Western Muslims on internet chat rooms, asking whether 'body piercing is permissible in Islam' or whether they should marry their lover, a variation on advice columns in lifestyle magazines as consumers of Islam. Of course these are genuine questions and require understanding. It is not that such curiosity would lead to globalisation of Islam as he fears.

4. Reducing Islam to politics alone: While the French press sees headscarves as the symbol of a foreign and patriarchal culture, the die-hard Islamophobes are trying to present it in terms of personal choice of the concerned girls. They are attempting to show that headscarves have nothing to do with Islam, it is Muslim women's insistence, this is my right', or 'nobody can tell me what to wear, that is making it an issue.

Similarly, in view of the Islamophobes, if young Western Muslims use traditional greetings, wear traditional clothes or eat Halal food this is more the result of identity politics, or at best a pristine cultural survival. However, it has nothing to do with Islam.

The reason for promoting this line of thinking is simple: tomorrow if the government calls for a ban on halal food, Islamic clothing and greetings, it would simple be a struggle for civility, not a war on Islam.

According to the French writer, Oliver Roy, "To say assalamu alaikum in Afghan Persian is vernacular, but to use it when speaking French [or English] is to display an ostentatious, quite exotic and even provocative religious belonging." This shows the obsession with the desire to eliminate everything that is related to Islam; even its greetings. To them saying assalamu alaikum is about the projection of a confrontational identity against mainstream society.

Conclusion:

Changes in Islam are in total contrast to changes in other religions. It is naive to compare Islam with Evangelism as the Islamophobes do. Islam has nothing as individualisation, the generational gap, born again and bypassing religious authority. There is not place for papacy or religious authorities in Islam. Evangelicals emphasise personal religious experience rather than community ties, whereas Islam focus on both personal and societal excellence like two well balanced wheels on a cart. Unlike Evangelicals' promise to mitigate people's

Vol: 13 Regd. No. LRL -50 No. 1

Weekly Nida-e-Khilafat Lahore

View Point

Abid Ullah Jan
(e-mail: abidjan@tanzeem.org)

All thanks to Islamophobes

As Muslims are absolutely helpless and fast becoming 21st century Jews, [1] a handful of Islamophobes are doing for Islam what 1.3 billion Muslim together could not do: They are paving the way for establishing Islam as a way of life.

The more the overt and covert, Muslim and non-Muslim Islamophobes scare the world away from Islam in the name of terrorism and "Islamism," the more the Qur'an is becoming the bestseller in the West.

Lost people on both sides of the Muslim-non-Muslim divide are scouring the text for phrases that might explain actions of the "hijackers" or the claims that Islam is a religion of peace.

Like the blind men and the elephant in a famous Indian fable, those who looked at the Qur'an in bits and pieces argue that violence is inherent in Islam; others blindly say that Islam means peace without knowing that peace doesn't come from nowhere.

To the disappointment of Islamophobes, the 'understanding Islam' industry is booming, with debates, books and pamphlets professing to unearth the depths of Islamic culture, politics and history.

The problem is not what is in the Qur'an, but what people want to prove with the Qur'an: their prepossessions, approximations and even pre-conceived ideas; even falsehood.

Without keeping the ultimate objective of our existence and Islam in mind; approaching the Qur'an with preconceived ideas and even judgments, can help find anyone almost anything in Islam.

To understand how Islamophobes are shooting themselves in foot with their war on Islam, we need to understand that with impartial study of the Qur'an, people would soon realise that they need to look at the reality of Islam rather than associating it with the words and deeds of so-called Muslims, who are lost like any other nation before them.

For example, looking for explanation of the so-labelled "suicide" bombing in the Qur'an is useless. Many have come up with the idea that such attacks are an attempt to win virgins in paradise. The question is: Why should Muslims have discovered this only in the last 23 years or so, that "suicide," without any rational reason at all, is a good way to enter paradise? Why did Iraqis discover it only in 2003, while the Qur'an exists for the last 1400 years?

To understand how Islamophobes are serving Islam, we need to look into everything — from the myths of Al-Qaeda's nihilism, from the growing Islamic web pages to the schoolgirls determined to wear veils; from the individuals setting themselves up for sale in the name of "progressive" and "moderate" Muslims to dictators, like Musharraf and his mantra of "enlightened moderation" — from the perspective of the Qur'an.

What new breeds of Islam have in common is their disconnection from the bigger picture: the purpose for their being in the fold of Islam. The self-proclaimed "liberals" are focused on the fulfilment of the self, rather than their obligations to establish the Deen — establishing Islam as a way of life.

Muslims, showing concern over the plight of Muslims, are at loss in the sense that they can hardly realise where the things have gone wrong and from where to start fixing the problem. Together they have yet to realise that fixing the problem begins with self and at home.

Interestingly, the phenomenon of isolated individuals, seeking to find a spiritual pattern and meaning for their lives, is not limited to Muslims alone. Many in the West have witnessed injustice, lies and deceptions on the part of their torch bearers of civilization for so long. The 9/11 and subsequent wars for global domination abroad and consolidating police state at homes have proved to be the last straws on the back of an already overloaded camel.

Of course, in Muslim societies, religion is tied up with culture: with the food people eat, the mosques at which they pray, their social and political networks. However, they are not "traditional Islamic" societies, as they are considered.

Individually we are Muslim but not Islamic at all. We have all the rituals and celebrations and dresses, but they have no meaning attached to what is taking place in the name of Islam. Nor are our societies Islamic in true sense. Most of the minds are hardly concerned with the basic questions of why and why not: for example, Why these rituals and rites? Why not elimination of Riba?

In Muslim societies, materialism in the guise of "modernisation" has led to a weakening of family and community ties and the undermining the study of religion for understanding why to be a Muslims and what does it take to be a Muslim.

The roots of this phenomenon go far deep in history, to the colonisation and related attempts at revising Muslim school curriculum, and influencing Mulla-mentality to make Saom, Salat, Zakat and Hajj as the article of faith, without their connection to the ultimate objective of taking both individuals and society to the level of excellence through practicing and establishing Islam as a way of life respectively.

The colonialists' successful tinkering with the mindset of Muslims limited Islam to ritualism. The subsequent age of materialism, then, successfully alienated Muslims even from the rituals. That's why there has to be a Pharaoh to save Moses. And that's why we have Islamophobes to cover-up for the lost Muslims.

The lost Muslims see the Qur'an through the spectrum of individual needs and desires. In his book, Globalised Islam: The Search for a New Ummah, the French sociologist Oliver Roy rightly notes that cyberspace is full of people that could be "Mr Anybody" pronouncing on what "Islam means..." Even Muslims argue, everyone knows we are Muslims, so keep Islam aside and let's discuss issues in the light of our own rationality. This is a telling sign of a lost people.

On the other hand, Islamophobes are pushing the world to read the Qur'an without jaundiced eyes. The more people do so, the more they will realise that it is, in fact, a guide for the humanity. The more they understand it, the more they would realise what they need to do: establish a society on the principles of real freedom, justice and equality as set out in the Qur'an.

This great awakening is already underway in parallel with the climax to which materialism, in the form of capitalism, has reached. Starting with the lust for more and more, human being reached to the present age of mega-cities with devastating foot-prints. [2]

This is all but just one aspect of following the misdirected goals. There is no end or limit in sight to this march motivated by the desire to have more and more. The reason that the future belongs to Islam is simple because Islam has the solution to individual and collective excellence. Without individual